

آفتاب آصف اور ان پیکٹ کامران مزراں سیر زین

قصہ کے دھمکے

اشتیاق احمد

دو باتوں

آپ کو یہ بھان کروشی ہو گئی کوئی اشتیاق احمد پنی موت آپ سے گئے
ہیں اور یہ سب آپ کے تعاون سے ممکن ہوا، بہ طالوں والے حضرات
نے جی بھروسہ ساخت دیا۔ اتنی فیصلہ سے نادہ دی پی پیکٹ تو انہوں نے ہی
والپس کر دیے اور جو دیکھے جعلے بغیر دی پی پیکٹ وصول کر دیئے۔ ان کے
شاویں سے بچوں نے کہاں اٹھائی ہی نہیں، کیونکہ مجھ پسے ہی خزار
ہو گئے تھے اور اب تو عالم یہ ہے کہ میرے پڑھنے والے میری کتابوں کو مجھی
جسب تک اچھی طرح دیکھ جال نہیں لیتے، اس وقت تک انہیں نہیں فرمیتے۔ اسی
ہے بھوٹ کے پیر کماں، کامنہ کی ہندیا بار بار چولھے پر نہیں چڑھتے، کامنہ
کی ناد سدا نہیں بنتی، جو لوگ اپنی جال کو چھوڑ کر درودوں کی جال پلے کی
گوشش کرتے ہیں، وہ اپنی بھی چھوڑ جاتے ہیں..... ادھر تو دو باتیں ہیں اور
یہ معاشرات اور ضرب المثل کے چکر میں پڑ گیا، مخالف یہ گھنی کا، مجھے تو اس
سنیں میں تصویر کی دھمکی کی بات کرنا تھی، لیکن اب تو اس سنی کا بیٹھ ہی
بھر گیا، چلے غیر، تصویر کی دھمکی کی بات آپ کر لیں۔

اشتیاق احمد

جلد حقوق بحق پیشہ محفوظہ

باراول: — جنوری ۱۹۸۲ء

طبع: — زادہ بشیر پرنسپل لارڈ

تیت: —

کرس روڈ بار اسٹک ہاؤس اشتیاق راجہوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

H. No. 52 Street 100 Ward 4
Noor Pura CHRISTIAN

نارنجی انکھوں والا

ترمیب

اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں ذرا یہاں بیٹھ جاؤں ۔
آفتاب اور آصف چونک ایک دوں اس وقت قصہ بلوشان
کے ہوٹل گرین روز میں بیٹھنے کھانا کھا رہے تھے وہ ایک دن پہنچے ہی
یہاں پہنچے تھے۔ ان پیکٹ کامران مزرا نے قصہ بلوشان کی طرف روانہ کرنے
سے پہلے ان کے چڑوں پر خاص قسم کا میک اپ کر دیا تھا اور بس
بھی ذرا مختلف قسم کا پہنا دیا تھا، اس میک اپ اور بس کے بعد ان
میں — اس قدر زبردست تبدیلی آگئی تھی کہ شہزاد بیگم بھی نہیں پہچان
سکی تھیں جب انہوں نے قہقہہ لگایا تو تب کیس جا کر انہیں معلوم ہوا
کہ یہ آفتاب اور آصف ہیں۔ ان پیکٹ کامران مزرا نے انہیں اس قبھے میں
کیوں بھیجا تھا، یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا، انہوں نے ان سے صرف
اتنا کہا تھا کہ قصہ بلوشان پہنچ کر ہوٹل گرین روز میں بھر جائیں،
گرین روز میں ان کے لیے ایک کمرہ پہنچے ہی بک کرایا گیا تھا، انہوں
کیوں وہ یہاں پہنچے اور کاؤنٹر پر انہوں نے اپنے نام سیف نادر
اور روف طار بتائے تو انہیں فرزا ہی کمرہ بخرا ایک سو گیارہ میں

کے لہا اور دووں چھر سے میں سرست،

باد دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ختوڑی دیر بعد آفتاب اور آصف کھانے سے خارغ ہو گئے۔

اس کے بعد انہوں نے بیڑے کو برق اٹھا لینے کا اشارہ کیا اور ساتھ

ہیک اجنبی کے پیے چائے کا آرڈر دیا، اپنے یہی انہوں نے جلے

ہیں جنکی ایکنونک وہ صرف صبح اور شام ایک ایک کپ پہنچے کے

عادی تھے۔

”آپ میرے یہے تکلیف نہ کریں۔“

”اس میں تکلیف کی کیا بات ہے، کیا اس شخص سے آپ کو

بہت ضروری کام ہے؟“

”بھی ہاں ہی صروری ہی ہے۔“

”کیا اس نے یہاں پہنچنے کا وعدہ کیا تھا؟ آفتاب نے پوچھا۔

”بھی ہاں ہے وہ بولا۔“

اسی وقت بیرا پائے لے آیا۔ آصف نے ابلی کے

لیے چائے بنادی اور وہ چائے کی چکیاں لینے لگا۔ اب اس کے

چھرے پر بے چینی کے آثار غوار ہونے لگے تھے۔

”اس نے تھیک ایک بچے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا اور اب ایک نجع

کر بیس منٹ ہونے کو آئے ہیں ڈپریشانی کے عالم میں اس نے کہا۔

”ذرا کر کے وہ آجائے اور آپ کی ڈپریشانی دور ہو۔“ آصف نے

مجھ دیا گیا۔ بیڑا ان کا سامان خود اٹھتا کر انہیں کرے میں چھوڑ گیا۔ رات

کا کھانا کھا کر وہ سوکے تھے، بسے کا ناشتا کرے میں منکلایا تھا اور

اب وہ دوپر کا کھانا ڈائننگ ہال میں کھا رہے تھے کہ یہ جلد

کافوں سے مٹکا گیا۔

و دونوں نے ایک ساتھ را پر اٹھا کے اور اس شخص کی طرف دیکھا

جس نے میز پر بیٹھنے کی اجازت مانگی تھی۔ یہ ایک فوجان آدمی تھا،

چھرے پر ڈاڑھی متوجہوں کا نشان نہیں تھا۔ انہیں نارنجی رنگ

کی تھیں، اس رنگ کی انہیں انہوں نے نہیں میں پہلی مرتبہ

دیکھی تھیں، یوں وہ ایک پتلہ دبلا اور درمیانے قد کا آدمی تھا۔

اس پر نظر ڈالنے کے بعد انہوں نے دوسری میز دل کی دیکھا

تقریباً تمام میزی بھری پڑی تھیں، شاید یہ بہت کامیاب

ہو ٹوکرایا۔

”کوئی میز خالی نہیں ہے جا ب! اگر خالی ہوتی تو میں آپ

سے درخواست ہرگز نہ کرتا؛ اس نے ان کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

”ہوں! ٹھیک ہے، تشریف رکھیے؛ آخر آصف نے کہا۔

”بلکہ انہا بھی کھائیے؛ آفتاب بولا۔“

”بھی نہیں شکریہ! میں دوپر کا کھانا کھا چکا ہوں.... مجھے تو

در اصل یہاں ایک شخص کا انتظار کرتا ہے۔“

”آپ بہت شوق سے انتظار کریجیے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں؛ آصف

۔ شکریہ! آپ دونوں بہت اپچے ہیں:

۔ یہیے..... شاید آپ کا ملاقاتی آگی: آفتاب نے ہال کے دردانے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اجنبی نے بھی فوراً دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں چمک لہرائی:

”جی ہاں! یہی ہے وہ..... آپ میں اس سے کہاں بات کروں..... آپ حسوس تو نہیں کریں گے، اگر میں اسے اسی میز پر بھٹا کوں۔“

”باصل بھٹا لیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں، ہم تو کھانا کھاہی چکے ہیں، آپ چاہیں تو اس میز سے اٹھ جائیں:“

”نہیں خیر! میں یہ تو نہیں کہوں گا..... آخر یہ آپ کی میز ہے... اور مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ آپ کو اٹھنے کے لیے کہوں... میں آپ کی موجودگی میں بھی اس سے بات کر سکتا ہوں:“

اتسی دیر میں ملاقاتی نزدیک آچکا تھا، خالی کرسی کی پشت پر ٹھکھتے ہوئے اس نے کہا:

”ہیلو مرٹر شابو!..... کیا آپ یہیں بیٹھ کر معاملہ طے کریں گے:“

”ہاں! کوئی اور میز خالی نہیں ہے اور میں نے ان شریف لوگوں سے میز پر بیٹھنے کی اجازت لے لی ہے:“

”تم جانو، مجھے کوئی اعتراض نہیں:“ ملاقاتی نے کندھے اچکائے اور

کرسی گھبیٹ کر بیٹھ گی۔

”تم فکر نہ کرو مرٹر گھوش اور معاملے کی بات کرو: شابو نے کہا۔
”میں نے خوب غور کیا ہے..... میں اس کام کے بیس ہزار روپے کوں گا، اس سے کم ایک پیسہ بھی نہیں۔“
”بیس ہزار..... لیکن یہ تو بہت زیادہ ہیں، کچھ تو سوچیے مرٹر گھوش: شابو نے ٹھہرا کر کہا۔“

”یہ کام اتنا آسان نہیں، اس میں خطرہ بھی بہت ہے، اگر میں پکڑا گیا تو کئی سال کے لیے جیل چلا جاؤ گا..... لقہ بیس ہزار روپے ادا کریں اور کام کرو ایں:“

”لیکن میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں، پیلے میں آپ کو دس ہزار روپے دے دوں گا:“

”نہیں! اتنے کم پیسوں میں یہ کام نہیں کر سکتا:“ مرٹر گھوش نے انکار میں سر ہلاایا۔

”خدا کے لیے مجھ پر رحم کریں، میں بہت مجبور ہوں:“
”میں کیا کر سکتا ہوں، میں بھی مجبوں ہوں کیا آپ کے پاس اس وقت بیس ہزار روپے نہیں ہیں۔“

”نہیں! میں دن ہزار روپے لے کر آیا ہوں:“ اس نے لپٹنے بریکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تب پھر میں نے پونی اپنا وقت بر باد کیا، آپ کو پہلے ہی بتا

دینا چاہیے تھا کہ آپ دس ہزار تک دے سکیں گے، میں بھلی ملاقات میں ہی انکار کر دیتا... خدا حافظ : یہ کہتے ہی گھوش ایک جھکے سے اٹھ کھڑا ہوا، تیری سے مردا اور جلدی جلدی قدم اٹھانا ہٹول سے باہر نکل گیا، شابو کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا پھر یہ ہاتھ مایوسانہ انداز میں نیچے کرتا چلا گیا۔ انہوں نے دیکھا، اس کے چہرے پر رنج اور غم کے ساتھ حسرت بھی برنسے لگی تھی۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا :

"میرے دستو! آپ کا بہت بہت شکریہ!"

یہ کہتے ہوئے وہ جانے کے لیے مردا۔ آفتاب اور آصف بے چین ہو گئے، آصف سے رہا نہ گیا، اس نے فرما کیا۔ "ذرائعہ کیے جناب؟" اس کی آداز سن کر وہ مردا اور حرمت زدہ انداز میں بولا۔

"جی فرمائیے"

"یقین جائیے: ہم آپ سے کچھ بات ملے کرنا چاہتے ہیں، دسرے لفظوں میں ہم بھی آپ سے کچھ معاملہ ملے کرنا چاہتے ہیں"

"جی کیا مطلب؟"

"شاید ہم آپ کا کام دس ہزار سے بھی کم میں کر دیں، آپ میں کام بتائیے"

"ہم نے ان کے یہ الفاظ پڑی طرح ہوش کی حالت میں سے تھے، اس کے باوجود ہم یہی کیسی گے کہ آپ ہمیں کام بتائیے، جیل کی سلاطین، ہمیں اپنے اندر نہیں لکھ سکتیں۔ آصف بولا۔"

"آپ دونوں کی عمری دیکھ کر اور باتیں سن کر، مارے حیرت کے میرا بُرا حال ہوا جا رہا ہے، اب یہی مناسب ہے کہ میں آپ کو بتا ہی دوں:

"یہ تو ہم اتنی دیر سے کہ رہے ہیں: آصف نے جلدی سے کہا۔

"دیر دیر تو کوئی نہیں ہوئی، ابھی حکومتی دیر پسے ہی تو یہ بات شروع ہوئی تھی، یار روف ڈار..... تم اتنا جھوٹ کب سے بولنے لگے ہوئے؟"

"غاموش رہو سیف ڈار اور سنو مطر شابو کیا کرنے والے ہیں: آفتاب نے بُرا سامنہ بنایا کہا۔"

"گویا آپ دونوں کے نام سیف ڈار اور روف ڈار ہیں"

"جی ہاں! کیسے نام ہیں؟ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔"

"کچھ عجیب سے لگتے ہیں: شابو بے خیالی میں بولا۔"

"لیکن ہیں تو ملتے جلتے نا۔"

"ہاں! یہ تو ہے: اس نے سر ہلایا۔"

"ہاں تو اب بتائیے، وہ کیا کام ہے جو آپ کے لیے پڑا بنا

"لیکن وہ کام آپ کے بس کا نہیں ہے: اس نے کھڑے کھڑے کہا۔"

"اوہ! آپ بتائیے بھی تو..... دراصل آپ ہمیں نہیں جانتے، ہم بہت ماہر قفل شکن ہیں، بڑے سے بڑے تارے اور زبردست سے زبردست تجویاں ہمارے آگے پانی بھرتی ہیں؛ آفتاب نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو، تجویاں بھی کہیں پانی بھرتی ہیں؟ آصف نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔"

"چلو نہیں بھرتی ہوں گی پانی، کھل تو جاتی ہیں نا۔"

"ہاں! اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آصف نے گویا سچے دل سے تسلیم کیا۔ شابو اب اہمیں عجیب سی نظروں سے گھوڑا رہا تھا۔

"کیا آپ دونوں چور ہیں؟"

"ہم چور تو نہیں ہیں، لیکن چوروں سے بھی بڑھ کر کام دھکائیں ہیں، آپ ہمیں کام بھی تو بتائیے..... بھر دیکھیے ہم کس طرح چلتی بھاگتے ہیں آپ کا کام کرتے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ ہم آپ سے معادضہ کچھ بھی نہیں لیں گے۔"

"شاید آپ کا دماغ چل گیا ہے، کیا آپ نے مistr گھوش کے الفاظ نہیں سنے تھے.... انہوں نے کہا تھا، کام اتنا آسان نہیں ہے، اگر وہ پکڑے گئے تو اہمیں کئی سال کے لیے جیل ہو جائے گی۔"

ہوا ہے اور جس کے آپ کا دوست بیس ہزار روپے طلب کر رہا تھا۔

"میں دراصل ایک گھر میں چوری کرنا چاہتا ہوں یہ اس نے دبی آداز میں کہا۔"

"کیا! آفتاب اور آصف کے مزے سے ایک ساتھ نکلا۔ ان کے چھروں پر حیرت کے بادل چھا گئے۔



کئی سینکڑا تک ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ شابو ملکی باندھے ان کی طرف دیکھتا رہا، آخر اس نے کہا: "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ کام آپ کے بس کا نہیں۔ مistr گھوش ایک بہت ماہر قفل شکن ہے، تارے توڑنے اور تجویاں کھونے میں اس کا جواب نہیں، اسی لیے میں یہ کام اس سے کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ مانا ہی نہیں۔"

"ہوں! آپ فکر نہ کریں۔ تفصیل بتائیں: اس کا جلدی کم کر آصف نے کہا۔"

"کیا مطلب.... کیا آپ یہ کام کریں گے؟"

"ہاں! ہم بھی کچھ کم ماہر نہیں ہیں، قفل توڑنے میں یہ بتائیے چرانا کیا ہے اور کس گھر سے چرانا ہے؟ آصف بولا۔"

"فکر نہ کریں، میں پوری تفصیل بتاؤں گا اور اگر آپ اس کام کو کرنے میں کامیاب ہو گئے تو دس ہزار روپے آپ کے" :

"ہم یہ کام دس ہزار روپے کے لایچے میں منیں کر رہے ہیں، آپ کی پریشانی دور کرنے کے لیے کریں گے، لیکن اس سے پہلے ہم یہ معلوم کریں گے کہ جگہ کیا ہے آپ کیوں کسی کے گھر میں چوری کرانا چاہتے ہیں" :

"جیک ہے، میں آپ کو ہر بات بتاؤں گا، لیکن ایسی نہیں، میں کسی کے گھر سے نقدی یا زیورات چوری کرانے کی نیت نہیں رکھتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس تجھے کے ایک شخص نے میرا جینا حرام کر لکھا ہے..... اس کا نام سردار ہارون ہے۔ کسی زمانے میں میں اس کا ملازم تھا، اس کی فیکری کا مبنی، ایک رات اس نے مجھے نون کر کے بلا یا، میں اس کے گھر پہنچا، تو کوئی اندر ہے میں ڈوبی ہوئی تھی، میں سمجھا فیوز اڑ گیا ہے، ٹھوٹ جوا ایک کمرے میں داخل ہوا لیکن کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ ٹھوٹ کر دیکھا تو وہ ایک انسانی جسم تھا۔ میرے منہ سے چینچ نکل گئی۔ بدن کو ٹھوٹنے کے دوران میرا ہاتھ ایک خبر سے جا لگا، ابےے خیالی میں میں نے خبر کو پکڑ لیا، عین اسی وقت کمرہ روشن ہو گیا دو تین بار کیرے سے بلب بلب جلے، چند سکینہ پرٹے خون آؤد ہو چکے تھے، اس وقت میرے ہاتھ میں خبر تھا اور میرے پکڑے خون آؤد ہو چکے تھے، اس وقت میری اور لاش کی تصویریں لے

لی گئیں، اس کے ساتھ ہی میں نے سردار ہارون کے الفاظ سے بتاؤ کر دیا۔ "سردار شاہبو! اب تم ایک قاتل بن چکے ہو..... لیکن تم فکر نہ کرو،

میں تمیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا" :

"لیکن میں نے قتل نہیں کیا؟ میں نے جھگڑا کر کھا۔

"جیک ہے، لیکن پولیس ان تصویریں کی موجودگی میں متاردی کوئی بات پس تسلیم نہیں کرے گی، لہذا قانون کی نظریں میں تم قاتل ہی مظہرائے جاؤ گے" :

"آخر آپ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے ایک غلام کی ضرورت تھی، سو غلام مجھے مل گیا، آج کے بعد میں تمہیں جو حکم بھی دوں گا، تم اسے بجا لاؤ گے جس روز بھی تم نے میرا حکم لمنے سے انکار کی، یہ تصویریں پولیس کے حوالے کر دی جائیں گی" :

سردار ہارون کے الفاظ سن کر میں سمجھتے ہیں آگیا۔ ابھی تک میں یہ میں سمجھ سکا تھا کہ قتل کون ہوا ہے، اب میں نے یہ سمجھا تو معلوم ہوا، لاش سردار ہارون کے باور چیز روشن کی تھی۔ اس باور پر سے میرا کئی بار جھگڑا ہو چکا تھا، مالی اور ڈرائیور اس بات کے گواہ تھے، گویا وہ عدالت میں یہ بیان دیتے کہ میں نے جان بوجھ کر باور پر کو قتل کیا ہے۔ اب تو میرے اوسا خطا ہو گئے، میں نے چالا، یکہرہ سردار ہارون کے ہاتھ سے جھپٹ لوں اور فرار ہو

کا قاتل بھی گرفتار ہو جاتا۔

لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ سردار ہارون نے باورچی کو قتل کیا تھا؟

یہ بات تو آج تک مجھے بھی معلوم نہیں ہو سکی : شابو نے کہا۔

خیر! ہم آپ کے کام ضرور آئیں گے۔ کیونکہ یہ تو ایک نیک کام، ویسے کیا آپ نے اس دوران تصویریں حاصل کرنے کی گوشش کی:

لیکن یہ بھی ہاروں کا چکا ہوں، لیکن میں تالا کھونتے کا ماہر نہیں، صاف ظاہر ہے کہ یہ کام تو کوئی ایسا آدمی ہی کر سکتا ہے کہ مغل توڑنے اور تجربیات کھونتے کا ماہر ہو، یہی وجہ ہے کہ میں سڑ گھوش سے معاملہ طے کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ میں ہزار سے بیش یہ کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہے جب کہ میرے پاس وقت دس ہزار روپے ہیں۔

کیا سردار ہارون تباہ نہیں دیتا۔

برائے نام... جس سے دو وقت کی روٹی خشک سے چلتی ہے، ہزار بھی میں نے میجری کے زمانے میں جمع کیکھتے: اس

دیواری کے اندر داخل ہونے کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، دیوار یاہ اوپنی نہیں ہے، آسانی سے پھلانگ جاسکتی ہے، لیکن اگر سردار ہوں کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہوا تو پھر آپ کیا کریں گے۔ آجھل موسم گرمیوں کا ہے، کیا اسی موسم میں بھی وہ اندرستے دروازہ بند کر کے سوتے ہوں گے۔

شاپیدا میں کچھ کر نہیں سکتا، تقریباً دو سال پہلے ہزار سو ٹکڑے نہ تھا، اب خدا جانے سردار ہارون کا کیا مقول ہو، پہلے تو وہ دروازہ کھول کر ہی سویا کرتے تھے۔

ذنسی.... لیکن میرا تو یہ فرض ہے کہ آپ کی محنت کا صد آں کو دے دوں، آخر سڑ گھوش بھی تو اس کام کے میں ہزار مانگ ہتھتے..... اور میں نے دس ہزار کی پیش کش کی تھی:

یہ کہتے ہمئے شابو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دونوں سے تھہ طایا اور بیردنی دروازے کی طرف مڑا گیا۔ وہ اسے جاتے ہوئے لیکھتے رہے، آخر اس کی نظرؤں سے اوچل ہو۔ آصف نے کہ آپ ہمیں بھی اپنے کمرے میں چلا چاہیے۔

لیکن اکرے میں جا کر کی کریں گے:

رات کی اس حتم کے بارے میں عندر کریں گے جو عینے بھائے نے مولے لی ہے۔ آصف نے بنیادہ لجے میں کہا۔

غلط کہتے ہو، تمہم ہم نے مول نہیں لی، بلکہ اس حتم سے تو ہمیں فی ہونے کی امید ہے۔ آفتاب بولا۔

عصیت میں گھرتے کی امد علی ہے:

کمرے میں جا کر غور کرنا چاہتا ہوں۔

”کمال ہے، غور کرنے لے یہ کمرے میں جاتا کی ضروری ہے، غور بیان بھی ہو سکتا ہے، خیر اور تم بھی کیا یاد کر دے گے؟ یہ کہ

دھمکی

” یہ گھوش دوبارہ کپڑا آگیا۔ آصف بڑھایا۔

” شاید اسے افسوس ہوا ہو گا کہ دس ہزار میں سودا نہ کر آفتاب نے کما۔

” ہوں! ضروری بات ہے، لیکن ہمیں کیا، اور ہم پلیں۔ آصف ہمیں کیا۔

” لیکن وہ ہماری طرف آ رہا ہے۔ آصف بولا۔

” آ رہا ہے تو آئے دو، ہمیں کیا، ہم بیان کیوں کھڑی، اور آصف نے کسی قدر پریشان ہو کر کہا اور قدم اٹھانے لگا، ورنہ آفتاب کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا! اس نے جھلائے ہوئے ہمیں کہا۔

” تم ازکم اس کی بات سن لینے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔

” میں نہیں سمجھتا، اس کی کیا ضرورت ہے؟

” دونوں زینتے کے نزدیک پہنچے ہی بتتے کہ انہوں نے اپنے گھوش کی آواز سنی۔

” یعنی آپ اپسے دوں سے مدد معاوضہ دے دیں مرے یہیں کہیں جا کر اپنیں پلیک میدان کے پنجے سے نجات دلاتے ہیں؟

” آب نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

” یہ میرا پیشہ ہے۔

” لیکن آب ہم یہی کام م斯特 شابو کے لیے بالکل مفت کرنا ہستے ہیں۔

” یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ اس کام کو ہمیں کر سکیں گے۔

” آپ ابھی نہچے ہیں، پھنس جائیں گے۔

” تو کیا آب آپ مستر شابو کا کام دس ہزار میں کرنے پر تیار ہے؟ آصف نے پوچھا۔

” نہیں! میں ہزار سے کم میں یہ کام ہو ہی نہیں سکتا، میں تو آپ لوگوں کی بھائی کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں،

” بنت پر شک نہ کریں۔

” اچھی بات ہے، نہیں کرتے شک، آپ بڑی خوشی سے مستر شابو سے جا کر بات کر لیں، اگر انہوں نے آپ سے بات کر تو ہم ان کا کام نہیں کریں گے؛ آصف نے کہا۔

” آپ میرا مطلب نہیں سمجھے، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے مستر شابو کے پاس جانے کی، جسے ضرورت ہوگی، خود آئے گا، اب آپ کام نہ کریں۔

” اتنا ہے۔

” وہ کمرے کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ آصف نے تائے جکھا۔

فرش پر بڑی۔ فرش کے درمیان میں ایک کری پر کوئی شخص نہیں
ان سے بیٹھا تھا۔ اس کی ایک ٹانگ دسری پر تھی۔ دونوں بازوں
کے بازوؤں پر تھے۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہست ناچ
تھی۔

○

WW

دونوں نے فوراً اسی خود پر قابو پایا۔ آفتاب نے چہرے پر پر سکون
لہوت لاتے ہوئے کہا:

”ہیو..... آپ کون ہیں جناب اور ہمارے گمرے میں کیا کر
کے ہیں۔“

”مجھے تم دونوں سے اس احتفاظہ سوال کی امید ہرگز نہیں تھی۔“
کے ہونٹ ہے۔

”تو پھر آپ کو کس سوال کی امید تھی؟“ آصف نے پریشان ہوئے
کر کما۔

”اہ، یہ بھی یہد ہے۔ یہ زہل ویس سے اپ سے
لیا تھا کہ اس شخص مسٹر گھوش سے آپ کی کیا بات چیت
کیا۔“

”پچھہ بھی نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ہم نیچے کھانا کھا رہے تھے
کہ شخص ہماری میز پر آ بلیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد اس سے ملتے
ہوا آدمی گھوش آگی۔ دونوں کے درمیان کسی کام کے مسئلے میں۔
بیت ہوتی، شاید ان کا سودا طے نہیں ہو سکا، پھر مسٹر گھوش اٹھ
گئے۔ تھوڑی دیر بعد دوسرے صاحب یعنی مسٹر شابو بھی چلے
ہم کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف
تو مسٹر گھوش ہم تک پہنچے۔ انہوں نے ہمیں خبردار کیا کہ ہم
ابو کی باتوں میں نہ آئیں۔ ہم نے انہیں بتایا کہ بھلا ہم
سی کی باتوں میں آنے لگے۔ آفتاب جلدی جلدی کتا چلا گی۔
”دیکھو بھائی، میں اس علاقے کی پولیس کا انجارج ہوں۔
کے بے وقوف نہیں بن سکتے۔“

”اڑے تو بہ تو بہ، ہم اپنے سے بڑی عمر کے آدمیوں کو بے
بنا نا گناہ سمجھتے ہیں جناب۔“ آفتاب نے کافون کو ناٹھ لگایا۔

”خیر، سُنو۔ میری معلومات کیا ہیں۔ مسٹر گھوش ایک قفل شکن
کئی بار جیل کی ہوا کھا چکا ہے۔ ابھی چند سو فٹ پہلے ہی
سے رہا ہوا ہے۔ ہم اس کی تاک میں ہیں کہ کب یہ کہیں

۔ ہی رہ سے۔

”اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ پہنڈ سینڈ کی خاموشی

یہیں سے اسی یعنی اور بدھی سے بڑکے یہنے یہ پہنچا۔

ت نے اُسے بُری طرح گھوستے ہوئے کہا۔

”تو پھر کس چیز کے بارے میں پوچھا ہے؟“

”یہ آپ کس چکر میں ہے؟“

”صاف ظاہر ہے، مشر گھوش کے چکر میں ہے۔“

”ایک قفل توڑنے والے کے چکر میں ایک ڈی۔ اس پر۔“

”پکھ بجیب سی لگتی ہے۔“ آصف نے انکار میں سر ہلاٹے ہوئے کہا۔

”تو پھر یہ دراصل مشر شابو کے چکر میں ہو گا۔ ایسے میکن نے اس سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ یہ ہمارے گھر سے میں کس داخل ہوا ہو گا۔“ آفتاب نے چونک کر کہا۔

”یہ کیا مشکل ہے۔ کاؤنٹر سے چالی سے آیا ہو گا۔ ظاہر ہو ٹھیں والے اسے انکار نہیں کر سکتے۔“

”ہوں، سوال یہ ہے کہ اپنے ہم کیا کریں؟“ آفتاب بولا۔

”گزنا کرنا کیا ہے، سردار ما روں کے گھر رات کے بارہ بجے چلیں۔ آصف نے سینہ تان کر کہا۔“

”میکن مصیبت یہ ہے کہ انہوں نے تو ہمیں پکھ کرنے کے لیے حرج ہے۔“ آصف بولا۔

”صرف تو کوئی نہیں، میکن کام دکھاتے دکھاتے کہیں ہم کسی ہدایت یہاں پہنچے یا وہ خود یہاں پہنچیں تو ہم غائب ہوں۔“

”شنو بھائی، جب ارکھی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ٹوڑ؟“ آصف بولا۔

”یہ جانتا ہوں۔ ضرب المثل ہے۔“ آفتاب مسکرا یا۔

”مطلوب یہ کہ اب ہم اس کام میں ناچہ ڈال چکے ہیں۔ من شابو سے تصویر دی والا لفافہ لا کر دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ لہذا پہچھے نہیں ہیں گے۔ چاہے پکھ ہو جائے۔“

”بہت اچھا جنمیں صاحب، اب یہی تمارے ساتھ آگ بڑھوں گا اور ثابت کر دوں گا کہ میں تم سے کسی طرح بھی بزدلی نہیں۔“

”ویری گڈ، یہی تو یہ بھی چاہتا ہوں۔“ آفتاب نے مسکرا گر کہا۔

”اسی وقت دروازے پر دستک ہوتی۔ درنوں نے ایک د

تصویرِ بولتی ہے

کھرے میں چند لمحے تک کے لیے گری خاموشی چھائی رہی، پھر
ف نے کہا : «خدا جانے یہ پیغام کس نے لکھا ہے۔ ہمیں بیرے سے معلوم
چاہیے۔»

«ٹیک ہے، اسے یہیں ملا لو۔» آفتاب بولا۔
انہوں نے لفظی بجا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہی بیرا آم موجود ہوا۔
کے چہرے پر کوئی یحرب نہیں تھی۔

”جی فرمائیے۔“

”یہ پیغام آپ کو کس نے دیا تھا؟“

”ایک شخص آیا تھا اور کاؤنٹر پر یہ لفاظ دیتے ہوئے آپ
کے کھرے کا بنر بتایا تھا۔ کاؤنٹر میں لے لفاظ میرے حولے کر دیا
ونکہ آپ کا کھرہ میرے چارچوں میں ہے۔“

”کیا آپ اس شخص کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟“ آصف نے پوچھا۔

”ویری گڈ، میں تمہارے منہ سے یہی الفاظ سننے کا خواہ شمند
بہم یہ جان کر رہیں گے کہ یہ چکر کی ہے۔“ آصف نوش
بولا۔

”کاش، آبا جان ہمیں یہ بتا دیتے کہ ان کا ہمیں یاں بھینجنا کا
کیا ہے۔ اس صورت میں ہمیں کوئی فکر نہ ہوتا۔“

”ضرر، کوئی بات نہیں۔ آؤ تیاری کریں۔“

ٹیک ساڑھے گیارہ بجے وہ ہوٹل کے پچھلے دروازے سے
لٹکے۔ سردار ہارون کی کوئی کے بارے میں انہوں نے پہلے ہی
معلوم کر لیا تھا۔ اس نے سردار ہارون کا پتا انہیں تفصیل
مجھا دیا تھا اور پچھلے دروازے کے بارے میں بیرے نے بتایا
ساری رات کھلا رہتا ہے اور ہوٹل میں ٹھہر نے والے کسی وقت
جا سکتے ہیں۔“

نہیں فرلانگ سے نیادہ دُور نہیں ہے۔ یہ فاصلہ ان کے لیے کوئی ت نہیں رکھتا تھا۔

عی کے کرد ایک چلہ لگایا اور پھر تابو کے بیان کے مطابق اس رخت نظر آگی جس کی ایک شاخ چار دیواری تک جا رہی تھی۔ اس ت پر پڑھنے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر بعد چار دیواری کے اندر کھڑے تھے۔ ابھی تک انہیں کسی خطرے کا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کے باوجود دل اور بھی زور زور سے دھک کرنے لگے تھے۔

"یاد آصف" یہ آج میرے دل کو کیسی ہو گی؟
"تمہارے دل کو وہم ہو گیا ہے اور وہم کا علاج حکیم نعمان کے سبھی نہیں تھا۔" آصف نے جھلائے ہوئے بھے میں کہا۔
دونوں روشنیک پہنچ گئے۔ اور روشنی انہیں برآمدے تک آئی۔ زیر و کا بلب ہلکی سی روشنی پھیلارہا تھا، ورنہ وہ اندر ہرے میں کٹ لٹیاں مارتے رہ جاتے۔ برآمدے کے دونوں طرف انہیں کھروں دروازے نظر آتے۔ دروازے بند تھے۔ برآمدے میں بھی زیر و کا بجل رہا تھا۔ برآمدے کے آخر میں انہیں سامنے ایک گھرے کا دروازہ نظر آیا، یہ دروازہ بھی بند تھا۔ وہ چکرا کر رہ گئے۔ شابو نے تھا کہ دروازہ کھلو گا۔ اب وہ کس طرح اندر داخل ہوں۔ دونوں نے دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر واپس مڑے۔ برآمدے سے نکل کر

میں بند کر دیا گیا، کئی لمحنے بعد باہر نکلا گیا تو کوھنی میں لاش کا نام دلشان تک نہیں تھا۔ فرش دھو دیا گیا تھا، یہ بات مجھے معلوم تھی کہ پادری کا آگے پچھے کوئی نہیں تھا، اس کا معاملہ چھپا رہ مکتا تھا، دوسرے دن مجھے تصویریں دکھا دی گئیں۔ ان کی روشنی میں میں جرم نہیں تھا۔ اس کے بعد مجھ پر سردار ہارون کی حقیقت کھلی، دراصل وہ ایک بہت بڑا سمجھا ہے، دوسرے ملکوں سے قیمتی چیزیں غیر قانونی طور پر ملک میں آتی ہے اور خینہ مارکیٹ میں فردخت کرتا ہے، اس طرح وہ لاکھوں روپے ماہانہ کھانا ہے اب اس نے اس کام پر مجھے بھی لگا رکھا ہے۔

مال لانے کا اور فردخت کے مقام تک پہنچانے کا کام مجھ سے بھی یا جاتا ہے، میں اس کا راز پولیس کو بتا سکتا ہوں، لیکن وہ مجھے ان تصویروں کے ذریعے قاتل ثابت کر دے گا اور اس طرح میں بھی چیزیں جاؤں گا..... پولیس کی مدد کے سامنے میں میرا سمجھنگ کا جرم تو معاف کیا جاسکتا ہے، لیکن قتل معاف نہیں ہو سکتا۔ لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح سردار ہارون کی تجویز سے تصویروں کا لفاذ اڑا لوں، اس کے بعد میں پولیس ایشیش پہنچ کر پولیس کو سردار ہارون کے بارے میں ایک ایک بات بتا دوں گا۔ یہاں تک کہ کہ شابو غاموش ہو گیا۔ آفتاب اور آصف سورج میں گم ہو گئے۔ اس نیس میں ناقہ کس طرح کھو لیں گے۔

”ہوں! خیرا ب آپ یہ بتائیں کہ سردار ہارون کی کوئی تھاں ہے۔۔۔۔۔ اس کا نقشہ کیا ہے، تجویز کس کمرے میں ہے۔۔۔۔۔

”میں ہر بات تفصیل سے بتاؤں گا، لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کس طرح کھو لیں گے۔۔۔۔۔

”آپ فکر نہ کریں، ہم چور نہیں ہیں۔۔۔۔۔

”شکریہ! سردار ہارون کی کوئی آغا رود کی تیزی گھی میں ہے بکھنی کا نمبر دو سو بارہ ہے۔۔۔۔۔ پھانک سے گزرنے کے بعد روشنی پر چلن پڑتے گا، پھر ایک برآمدہ دکھانی دے گا، اس برآمدے کے آخر میں سردار ہارون کا کمرہ ہے، تجویز اسی کمرے میں ہے، رات کے وقت میں ہی آپ کو یہ کام کرنا ہو گا۔۔۔۔۔ اس دوران ان کے حاگے موجودگی میں ہی آپ کو یہ کام کرنا ہو گا۔۔۔۔۔ اس دوران ان کے حاگے نے کسی کا بھی خطرہ ہے، لہذا آپ سکون فارم استعمال کر سکتے ہیں، یہ رہا اس نہ کسی طرح عبوری سی مقدار میں سکون فارم حاصل کر لیا ہے، یہ رہا اس شیشی میں، یہ رومال میں لگا کر آپ رومال ان کی ناکوں پر ہی چھوڑ دیجئے گا، تاکہ ان کے جلد ہوش میں آنے کا کوئی امکان ہی نہ ہے۔ اس تک بعد آپ نہایت اطمینان سے تجویز کھول کر تصاویر نکال سکتے۔

”خیر دیکھا جائے گا، ہم کسی نہ کسی طرح ان کے کمرے میں ضرور داخل ہیں گے، چاہے کچھ ہو جائے۔۔۔۔۔

”اگر آپ دونوں اس کام میں کامیاب ہو گئے اور آپ نے مجھے پوروں کا، ”اذ لا دیا تو میں آپ کو دس ہزار روپے پیش کر دوں کیونکہ یہ آپ کا حق ہو گا۔۔۔۔۔

”ہمیں دس ہزار کا کوئی لाभ نہیں ہے، آپ فکر نہ کریں۔۔۔۔۔

”سردار ہارون رات کو عالم طور پر دس بجے تک سو جاتے ہیں ران کی بیگم بھی، اس لیے آپ دونوں کے لیے رات کو باہن بجے کے قریب جانا مناسب ہے گا۔۔۔۔۔

”ہوں علیک ہے۔۔۔ آفتاب بولا۔۔۔۔۔

”اگر کوئی اور بات پوچھنی ہو تو پوچھ لیں، میں بتا دوں گا۔۔۔۔۔

”شکریہ! ساری بات سمجھ میں آگئی، اب صرف یہ بتا دیں کہ تصویروں لا لفاذ وصول کرتے آپ کب آئیں گے۔۔۔۔۔

”میں کھل کسی وقت یہاں آ جاؤں گا۔۔۔۔۔ آپ لوگ کہاں ٹھہرے۔۔۔۔۔

بے پیشی اپنے آپ سے نجھ کرنا ہے:

بھی فرا بیتھا، اصف نے مژتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد میں ہلکا سا
ڈنر ہتا۔ آفتاب نے تحسیں کیا، اس کے بعد کا ڈنر گھوش سے چھپا
ہیں پڑ سکا۔

اس شخص شابو کی باتوں میں آئی گا، میں نے باہر شیشیوں
میں سے دیکھے اور اس فتحے پر پہنچا ہوں کہ اس نے آپ
لوگوں سے وہ خامد طے کیا ہے جو مجھ سے کرنا چاہتا تھا۔

شاید آپ کا نیالِ تھیک ہو، لیکن جو کام اس کے لیے آپ
کرنے کے لیے تباہ اس سے بھی کیوں روک رہے ہیں۔ اصف
نے پہنچتے ہوئے بھجے میں کہا۔

میں تو اس لیے تیار تھا کہ قفل کھولنے کا کام کرنے میں اپنا
جواب نہیں رکھتا، لیکن آپ لوگ قفل نہیں کھول سکیں گے اور
پھنس جائیں گے تاہم آپ ابھی بچے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ آپ پیس
کی گرفت ہیں، آجائیں۔

آپ ہمارے بارے میں پریشان نہ ہو، شاید آپ کو یہ پریشانی
ہے کہ آپ کے دس ہزار ہاتھ سے نکلنے والے ہیں۔

بھی نہیں! ایسے گاہک تو مجھے ملتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن میں
صرف مصیدت میں لگھرے لوگوں کی مدد کرتا ہوں... بعض بیک میر
قلم کے لوگ کہ لوگوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔

یہ عقل مندانہ فیصلہ ہے: اس نے خوش ہو کر کہا اور ان نے
ہاتھ ٹاکر چلا گی۔

یار بیہ ہو کیا رہا ہے؟ اصف بڑھ رہا۔

جو کچھ ہو رہا ہے، تما رے سامنے ہی ہو رہا ہے، پھر مجھ سے
کہوں پوچھ رہے ہو: آذاء بہانے نے بُدا نامنہ بنایا۔

اچھا تو کافی کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو امریکیوں جیا ہے
ہوئے اصف بہتا اہم۔

تھاڑی دونوں بائیں نظر میں، انہیں کا کوئی سر پیر نہیں: آفتاب نے
وپر والی سے کہا۔

بانوں کے سر پیر بس نے آج تک دیکھے بھی نہیں: اصف نے بھی
ترکی ہے ترکی جواب دیا۔

اوہو! بہت اونچا اڑ رہے ہو آج، غیر تو ہے: آفتاب نے
میرت زدہ آنہا میں کہا۔

اپر کی مزدوں کے لیے لفت کا انتظام تھا، لیکن انہوں
نے نیچیوں کا لٹک کیا تھا اور اب دونوں سیر ٹیکوں پہنچتے۔

میں سوچ رہا ہوں.... اگر شابو کا بیان درست ہے تو مدار
کا لامبی جگہ کوئی کافی نہیں، بخوبی اگلے کوڑے گا۔

"کیا بات ہے؟" آصف نے نرم آواز میں پوچھا۔

"آپ کے لیے ایک پیغام ہے۔" اس نے ٹرے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ٹرے میں ایک لفاف رکھا تھا۔ آصف نے حیرت زدہ انداز میں ٹرے میں سے لفافہ اٹھایا۔ بیرا اٹھے قدموں چلا گیا۔

آصف نے لفافہ چاک کیا اور اس میں سے کاغذ نکالا۔

کاغذ پر لکھا تھا۔

"تم لوگ آگ سے کھیل رہے ہو۔ اس کھیل میں تمہارا سب کچھ جل جائے گا۔ ابھی وقت ہے، سنپھل جاؤ، باز آ جاؤ۔ اسی میں تمہاری سبھلائی ہے۔"

تحریر کے نیچے کسی کا نام نہیں تھا۔ وہ حیرت زدہ سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں نے اسے نہیں دیکھا۔" اس نے کہا۔

"لیکن کاؤنٹرکلر نے تو دیکھا تھا، اگر آپ ہمیں اس کا حلیہ بتا دیں تو ہم آپ کے حد درجے شکر گزار ہوں گے۔ یہ ایک بیک رہا ہے۔"

"اپھی بات ہے۔ میں کاؤنٹرمن سے معلوم کر کے آپ کو فون پر بتائے دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکر یہ ہے۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا اور بیرا چلا گی۔ تھوڑی دیر بعد فون کی ٹھنڈی بھی۔ دوسری طرف سے بیرا کہہ رہا تھا:

"جناب، وہ ایک درمیانے قد کا آدمی تھا۔ اس کی انہیں نارنجی چین اور جسم پتلہ دبلا تھا۔"

"کیا؟" آفتاب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا، پھر اس نے رسپور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" آصف نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"اس نے شابو کا حلیہ بتایا ہے۔" آفتاب بولا۔

"اوہ، لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے، شابو ہی تو ہم سے یہ کام لینا چاہتا ہے، پھر بھلا وہ ہمیں کیوں روکے گا۔"

"یہ واقعی عجیب ترین بات ہے۔ آصف، میرا خیال ہے، ہم کسی گھرے معاملے میں پہنچنے والے ہیں۔"

"تو پھر، کیا تم چاہتے ہو۔ ہم قدم پیچے ٹائیں؟"

"یار آصف، میرا دل دھڑک رہا ہے۔ میری ایک تجویز ہے۔ کم از کم ہم سردار ہارون اور اس کی بیگم کو کھوروفارم کے ذریعے بے ہوش نہیں کریں گے۔ کہیں کھوروفارم انسین نفیسان نہ پہنچا دے اور ہم مجرم نہ بن جائیں۔"

"مجرم تو ہم اس کی کوئی میں داخل ہوتے ہی بن جائیں گے۔" کیا یہ غیر قانونی اقدام ہیں ہو گا۔

"بے شک ہو گا، لیکن یہ اتنا بڑا جرم نہیں ہو گا، جتنا کھوروفارم سے دو آدمیوں کو بے ہوش کرنا۔"

"خیر دیکھ جائے گا، اگر ہم نے ضرورت نہ محسوس کی تو کھوروفارم استعمال نہیں کریں گے۔" آصف نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا۔

"لقریباً آدھ گھنٹے بعد وہ سردار ہارون کی کوئی مسکن کے سامنے ہنچ گئے۔ نہ جانے کیوں ان کے دل دھک کرنے لگے۔ اس قسم کے کاموں سے آئے دن انہیں واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ لیکن دل اس انداز سے نہیں دھڑکے تھے۔"

"خدا یا رحم، میرا دل مجھے خطرے کی گھنٹی سوارہ ہے؟" آفتاب نے گھرا کر کہا۔

"اپنے دل کو سنبھال کر رکھو۔" آصف نے منہ بنایا۔

سنتے۔ پہلے آفتاب نے دونوں ہاتھ کھڑکی پر رکھے اور اندر کو دیگی۔ اس کے کوڈنے سے ہلکی سی دھمک پیدا ہوئی۔ آصف دم سادھے باہر کھڑا رہتا کہ اگر سردار مارون یا اس کی بیگم کی آنکھ کھل جائے تو ان میں سے صرف ایک سردار مارون کی نظرؤں میں آئے، لیکن جب کوئی آواز سنائی نہ دی تو اس نے بھی ہاتھ چوکھٹ پر رکھے اور اچک کر اندر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا، کمرے میں بنز زنگ کا نریروکا بدب جل رہا تھا۔ آفتاب دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ کمرے کے دائیں طرف دیوار کے ساتھ دو مسہریاں بیکھی تھیں۔ ان پر ایک مرد اور ایک عورت پڑتے سورہ ہے تھے۔ چھت والا پنکھا چل رہا تھا، مسہریوں کے سرہانے کی طرف ایک بڑی سی فولادی تجویری دیوار میں نصب تھی۔ آصف نے آفتاب کی طرف دیکھا، جیسے پوچھ رہا ہو، کلوروفارم استعمال کریں یا نہیں۔ آفتاب نے انکار میں سرہلایا۔ اسی وقت سردار مارون نے کروٹ لی اور ہاتھ پیڑھا لانے لگا۔ ایک ادھیر عمر آدمی تھا۔ زنگ سیاہی مائل، چہرے پر پھوٹ پھوٹی ڈاڑھی تھی، جسم سڑول تھا۔ عورت موٹے جسم کی تھی۔ سردار مارون کے ہاتھ پیڑھا لانے سے دونوں پریشان ہو گئے۔ آصف نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کلوروفارم والی شیشی نکال لی۔ اس نے آفتاب کی طرف اس طرح دیکھا، جیسے کہ رہا ہو، بھی اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ اس نے جیب سے اپنا رومال نکالا اور ہاتھوں کو ناک سے ڈور رکھتے ہوئے شیشی کا ڈھکن آتا رہا۔ اس پر رومال رکھا اور شیشی کو اٹ



"خیر یونہی سی۔ آفتاب نے کندھے اچکائے۔ آصف نے جیب سے چابیوں کا گچا نکالا اور باری چابیاں آذانا شروع کیں۔ تجویں کے لیے ان کے پاس خاص چابیوں کا ایک گچا تھا جو وہ ساختے تھے۔ چابیاں لگتی جا رہی تھیں، یعنی تجویں کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ آصف کی پیشافہ پر بل پڑ گئے۔ یہ دیکھ کر آفتاب بولا:

"لاؤ چابیاں مجھے دو۔"

"کی تم سمجھتے ہو کہ میں چابیوں کو غلط طریقے سے لگا رہا ہوں؟" آصف نے بھٹا کر کہا۔

"نہیں، تم دست طریقے سے لگا رہے ہو، ذرا میں غلط طریقے سے لگا کر دیکھوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے چابیاں اس کے ہاتھ سے چھپتے میں اور تجویں کے سوراخ پر جک گی۔ اس نے بھی باری باری تمام چابیاں لگا کر دیکھیں۔ پولیس ہو کر تیجھے ٹہنے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی نظم دیئں ناچھے گے، ہینڈل پر پڑی۔ اس ہینڈل کی بنا پر اسے کچھ عجیب سی لگی بے خالی میں اُسے ٹوٹلا تو اس کے اندر فی سمیت میں ایک بُٹن سا دبیا محسوس ہوا۔ اس پر جوش کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے چابیاں آذانا شروع کیں اور دیئں سے بُٹن دباتے رہا۔ اچانک لکھ کی آواز آئی۔

"وہ مارا۔" آفتاب نے کچکا تھا آواز میں کہا اور ہینڈل پکڑ کر

لکھتے ہی یکٹہ گز گئے۔ دونوں پتھر کا بُٹ بنے ایک دوسرے کو دیکھ رہے۔ کھڑے میں موت کا ہولنک سنتا تھا طاری رہا۔ آفتاب نے سرگوشی کی:

"یاد، یہ تو مگری۔"

"ہاں، اس میں کوئی ملک نہیں کہ یہ مر جکی ہے۔ خدا نے ہمیں قاتل بننے سے بچایا ہے۔ اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ آصف بولا۔

"اس کا مطلب ہے، شابو نے ہمیں دھوکا دیا، اس نے ہمیں ایک فرنی کمانی سُندا کہ اس کام پر تیار کیا تھا، دراصل وہ سردار مارون اور ان کی بیگم کو موت کے گھاث اتنا چاہتا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے؟"

"یہ تو ہم بعد میں دیکھیں گے، وہ ایسا کیوں چاہتا ہے، پسے ذرا اس تجویں کو گھول کر دیکھ میں، کیا واقعی اس میں کوئی تصویر وہ والا لفاظ موجود ہے۔ آصف نے کہا۔

"شابو کا بیان غلط ثابت ہو جانے کے بعد اب تجویں میں لعافہ کا کوئی امکان ہی نہیں رہ جاتا۔" آفتاب نے بُرا سامنہ بننا کر کہا۔

"یکن ہم یہاں آہی پچکے ہیں، دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟ آصف نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

خبردار

دونوں لکھتے کی حالت میں آگئے۔ آنکھیں بچل گئیں۔ الفاظ ختم ہونے کے بعد تصویر ان کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی مارٹ دیکھا، پھر تجویں میں موجود چیزوں پر نظر ڈال۔ اس میں فوٹوں کی گدیاں، زیورات اور دوسری چیزوں موجود تھیں: البتہ تصویروں کا لفافہ کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید وہ کسی خانے میں تھا یا سرے سے تھا ہی نہیں۔ تصویر کے الفاظ مُسٹنے کے بعد اب ان میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ تجویں کی چیزوں کو ناچھے لگا سکتے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ شابو کی کمانی ہوٹی ثابت ہو چکی تھی۔ اس نے تو انہیں قاتل بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ اس بُری طرح پہنچتے کہ شاید انپر کامران مرازا بھی انہیں نہ بچا سکتے۔

"میرا خیال ہے آصف، بھاگ لینا چاہیے۔"

"ہاں، ہم تجویں کی کسی چیز کو ناچھے نہیں لگائیں گے۔ ضرور اس کی حفاظت کا انتقام کیا گیا ہے؟ آصف نے گھبرا ہوئی آواز میں

"یکن جاہ، آپ ایک ناچھے سے فون کیسے کریں گے، لاءیے۔ پستول میں پکڑیتا ہوں، آپ اپ اپینا سے فون کیسے، اس کے بعد پستول مجھ سے واپس لے یجھیے گا۔" آفتاب نے نئی ترکیب بتائی۔

"بجومت، یہ سیسے کھٹے رہو۔"

"بھی بہتر۔ ایٹھے تو خیر ہم کھٹے بھی نہیں رہ سکتے۔"

سردار مارون نے انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھوڑا اور پھر ریسور اٹھا کر میز پر رکھتے ہوئے باہیں ناچھے سے بزرگ ہمانے لگے۔ آفتاب اور آصف نے سوچا، اگر وہ یہاں چھپنے کے تو ابھی بڑھ جائے گی۔ پولیس سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی؛ مذاکسی نہ کسی طرح نکل جلو۔ اس خیال کے آتے ہی آصف نے سوچے سمجھے بغیر کھٹکی کی مارٹ چھلانگ لگادی۔ سردار مارون نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھے۔ اس میں پہنچنے کے بعد اپنے گھر کی پھلانگ پچھا تھا۔

"خبردار، گولی مار دوں گا۔"

"مشکل ہے جاہ، اب آپ اسے گولی نہیں دار سکیں گے۔"

آفتاب نے مسمی صورت بننا کر کہا۔

"میکوں، یہی مشکل ہے؟ یہ کہ کہ سردار مارون طیش میں آکر اُسٹھے اور کھٹکی تک پہنچ گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے انہیں دھنڈے ایک فائر بہنک مارا۔ جب تھوڑی دیر بعد واپس مُڑے تو دوسرے

"معلوم کرتے تو کرے۔ اس سے ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ وہ زہر شابو نے کسی جگہ سے حاصل کی تھا۔ شابو اور گھوشن کے پیچھے افار صدیقی پسلے ہی پڑا ہوا ہے، مذا وہی مصیبت میں مچنیں گے۔" آفتاب نے لاپرواٹی سے کہا۔

"اور افار صدیقی ہم سے جو ملاقات کر چکا ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"احسن ہو تم، سردار مارون بھی ہمیں دیکھ چکا ہے۔"

"اوہ ہاں، خیر کوئی بات نہیں۔ ہم یہ میک اپ اپار دیں گے۔" آفتاب نے اس سے اتفاق کیا۔

"اس کے باوجود افار صدیقی ہم تک ضرور پہنچنے گا۔ دوسرے

"تو پھر آؤ، یکن نہیں، پسے تجویں کو بند کر دینا چاہیے۔"

"رہنے دو، یہ تکلیف نہ کرو، میں خود ہی بند کر دیں گا۔" یہ گرج دار آواز نے ان کے ہوش اٹھا دیے۔ پٹت کر دیکھ تو سردار مارون ناچھے میں پستول میں مسہری پر بیٹھے انہیں گھرد رہتے تھے۔

دونوں ساکت رہ گئے۔

"آپ جاگ گئے، کمال ہے۔" آفتاب کے منز سے نکلا۔

"میرے چاہنے کا تعلق تجویں کھٹنے سے ہے۔ جوں ہی تجویں کھٹنے ہے اور تصویر کے منز سے آواز نکلتی ہے۔ میں جاگ جاتا ہوں، یونکل آواز کا ایک لکھن میری مسہری میں بھی ہے۔ اب تم بتاؤ، تم کی ارادہ لے کر آتے تھے؟"

"بھی ارادہ تو نیک ہی لے کر آتے تھے، یکن ایسا معلوم ہوتا ہے، یہاں پہنچنے کے بعد ہمارے نیک ارادے میں کسی نے بھنگ ڈال دی ہے۔" آفتاب نے مسمی صورت بننا کر کہا۔

"کی کہتے ہو رنگ میں بھنگ ڈالنے محاورہ ہے۔" آفتاب نے بھت کر کہا۔

"میرا خیال ہے، اس طرح کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔"

"شاید تم دونوں کا دماغ خراب ہے۔ خیز پولیس خود ہی دماغ درست کرے گی۔ تم دونوں حرکت نہ کرنا۔ میں پولیس کو فون کرنے

"وہ بچ کر نہیں جا سکتے۔ وہ ابھی کل کے پتھے ہیں۔ میں ابھی ڈھی۔ ایس پلی افوا صدقی کو بُلاتا ہوں۔" سردار مارون نے پھر پتھے ہوئے کہا اور واپس اپنے کھٹکے کی مارٹ چل پڑے۔

ادھر آفتاب اور آصف پھانک سے نکلنے کے بعد تھا دوڑ پڑے۔ انہوں نے پیچھے ٹرکر کر جبھی نہ دیکھا اور بھاگنے پڑے تھے۔

"یار آج تو بہت بُرے پتھے تھے۔" آفتاب نے دوڑتے دوڑتے کہا۔

"ہاں، خدا کا شکر ادا کرو۔ اس نے بال بال چاہا۔"

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" آفتاب بولا۔

"ویسے معاملہ کھو پئے نہیں پڑا۔" یہ تو ناہر ہے کہ شابو مارون

کام کے یہیں کیلیم کو جان سے مار ڈالنے چاہتا ہے۔ اس نے اس

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

دراصل ایک بیک میل رہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جو

کام کے یہیں کیلیم کو جانی گھٹی۔ یہ خیز کی کہ سردار مارون

پر پہنچے تو یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کو دروازہ پوپٹ کھاتا
اور اندر سے کسی کے بلکے سروں میں سیٹی بجانے کی آواز آرہی
تھی۔ ان کے قدموں کی آواز کے ساتھ ہی سیٹی اک گئی، پھر ایک
آواز ان کے ساقوں سے ٹکراتی ہے۔

”آ جاؤ بھتی، رُک کیوں گئے۔“

یہ کہ انکل نے کسی خاص وجہ سے ہمیں اس میک اپ میں یہاں بیجا
ہے۔ ان کی اجازت کے لیفڑ ہمیں میک اپ نہیں اتنا چاہیے۔
”خیر دیکھا جائے گا۔“

”سردار ہارون کی کوٹھی سے کافی دُور آ کر انہوں نے دُڑنا بد
کر دیا کہ کہیں کوئی پولیس والا پور سمجھ کر پیچھے نہ لگ جائے۔
اچانک انہوں نے ایک کار مخالف سمت سے آتی دیکھی۔ رفتار بہت
تیز تھی۔ دونوں جلدی سے شرک سے یونچ اُتر کر ایک درخت کی
اوٹ میں ہو گئے۔ جلد ہی کار ان کے پاس سے گزر گئی۔ انہوں
نے دیکھا۔ دراصل وہ کار نہیں، جیپ تھی اور اسے انوار صدیقی چلا
رہا تھا۔

”سے ضرر سردار ہارون نے فون کیا ہے۔ میرا خیال ہے
آصف، ہمیں رفتار بڑھا دینی چاہیے۔ ایسا نہ ہو، وہ ہمیں راستے میں
ہی آئے۔“

”ہاں، خدا کا شکر ہے کہ ہم شرک سے اُتر کر درخت کی اوٹ
میں ہو گئے؛ ورنہ ادھ سے جاتے ہوئے اس کی نظر ہم پر ضرور پڑتی
اور جب وہ سردار ہارون کی زبانی ہمارا خلیہ سنتا تو ہمیں فوراً گرفتار
کرنے دوڑ پڑتا۔

دونوں تیز تدم اٹھاتے گے۔ آخر ہوٹل کے عقبی دروازے
ٹک پہنچ گئے۔ یہاں پڑھ کر جب وہ اپنے گھرے کے دروازے

پاس ہے۔“

”واہ مزا آگی۔ ہوتی بُن بات۔“ آفتاب خوش ہو کر بولا۔
”یہ فیض بعد میں ہو گا مجھ بات ہوتی یا نہیں۔ پہلے میں تمہاری
لبی کمان سن لوں، آؤ۔“

انہوں نے اپنے گھرے کے دروازے کو تلا لگایا اور پھر سامنے
والے گھرے میں چلے آئے۔ انپکٹر کامران مراز نے دروازہ اندر سے
بند کر دیا۔ اور پھر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان کا میک اپ
زنکل کر دیا۔ اب دونوں اپنی اصلی صورت میں تھے۔

”ہاں، اب بتاؤ کی کہانی ہے؟“ انہوں نے طنزہ لجھے میں کہا۔

”اب آجان، کیا آپ طنز کر رہے ہیں؟“

”تم کہانی سناؤ۔ میں نے مناسب جانا تو اپنا طنز داپس لے
لوں گا۔“ وہ مسکرا کر بولے۔

آفتاب نے قصہ بلوشاں پہنچنے کے بعد شابلو کے میز پر آ کر بیٹھنے
پھر گھوش کے آنے سے لے کر سردار ہارون کے گھر سے فراہمک کی
کہانی پوری تعفیل سے سنادی۔ انپکٹر کامران مرازا تھوڑی دیر تک تو
سوچتے رہے، پھر بولے۔

”ان حالات میں اب تم دونوں کو میک اپ میں نہیں رہنا
چاہیے۔ تم تھوڑی پر اپنی انگلیوں کے نشانات بھی چھوڑ آئے ہو۔“

ان کا ارادہ

انہوں نے دیکھا، گھرے میں انپکٹر کامران مرازا انہیں بُری طرح
گھور رہے تھے۔

”رات کے ایک بجے کماں آوارہ گردی کر کے آ رہے ہو؟“
انہوں نے سرہ آواز میں کہا۔

”یہ ایک لمبی کہانی ہے اب آجان۔“ آفتاب نے کہا۔
”اوہ ہمارا تو سانش بھی چھوڑا ہوا ہے، کیا پولیس سے جان
بچا کر آ رہے ہو؟“

”جی، جی ہاں۔ بس یہی سمجھیا جیے۔“
”اپھا، سمجھ یا۔ لیکن اس صورت میں ہمیں اس گھرے میں
نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ آؤ ساتھ والے گھرے میں چلیں۔“ انہوں نے اٹھتے
ہوئے کہا۔

”جی، ساتھ والا گھرہ؟“ آصف نے سوالیہ لجھے میں کہا۔
”میں نے اس ہوٹل میں دو گھرے بک کر لئے تھے، لیکن تمہیں

وپس نہیں تھے، لیکن پختے والے ہی بول گے۔ خیر، ہم ہیں شہر

کر ان کا انتشار کریں گے۔

”لیکن میر، اگر بدیاں وپس ہی نہ آئے اور کسی اور طرف

بھل گئے تو اسیں پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔“

”نہیں، وہ ضرور سینی آئیں گے۔ میں ان سے مل چکا ہوں۔

وہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی میں مبتلا ہیں۔ ان کی خوبی ہی

اسیں پیاس بڑھ لائے گی اور وہ ماریں جائیں گے۔ میرے تو کان

سی وقت کھڑے ہوئے تھے، جب انہوں نے شابو اور گھوش سے لٹکا

کی تھی۔ میں جیزان تھا کہ گھوش اسیں یہیں ہوتا تھا۔ اس سے پہلے

شابو نے گھوش سے کیا بات کی تھی؟“

”جی بہتر۔“ انہوں نے اسی اتفاق کے ساتھ ہندوستانی دوڑا نہ کھینچ کی تو اڑا نہیں، پھر

اور صدیقی نے کسی سے کہا:

”تم لوگ بہادرے میں ہی اور احمد پھپ کر کھڑے ہو جاؤ۔

میں کھڑے کا دروازہ اندھے بنڈ کر کے بیٹھ جاؤ ہوں۔“

”جی بہتر۔“ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، انپر کامران مرزا نے

بڑھنے والی رکھ کر اسیں خالوش رہنے کا شاہرا کی۔ ان کے

کھڑے کا بدب جعل رہا تھا۔ اس عالم میں تقریباً آہد گھنٹہ گزر گی۔

پھر اچانک ان کے دروازے پر دستک دی گئی۔ انپر کامران مرزا

جاؤ، اس پر ہوں۔“

”ابن تو پھر، دیں کیں اسیں دیکھا ہو گا۔“

”بہت بہت شکری، میں نے بادوہ آپ کو رحمت دی۔“

”کوئی بات نہیں، لیکن معاملہ کیا ہے؟“

”آپ کے ساتھ والے کھڑے میں ہٹھرے ہوئے دوڑکوں نے

ایک کوٹھی میں پڑھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوٹھی کے ہاتک

کی بلی ٹردہ پائی تھی ہے۔ تھوڑی کی خلافت کا اس کے ہاتک

عجیب و غریب بندوبست کی ہوا ہے؛ ورنہ وہ لٹنے سے نہ نہیں

سلک تھا، کیونکہ ان دونوں نے جوڑی کو کھول دیا تھا۔

”لیکن آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ یہ کام ان دونوں کا

ہے جو پیاس بڑھ رہے ہوئے ہیں؟“

”میری ایک اتفاق کے تحت ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

ادھ کوٹھی کے ہاتک نے بیک پالک وی جعلیہ بتایا ہے جو ان دونوں

کا ہے؛ ملنا میں سیدھا یہیں آئکتھا۔“

”ہوں ٹھیک ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے کسی کام

نہیں آسکا۔“

”کوئی بات نہیں،“ یہ کہتے ہوئے افوار صدیقی مژگی اور انہوں

نے دروازہ بند کر دیا۔

آہد گھنٹے بعد افوار صدیقی اپنے تھکوں کے ساتھ داہل جا رہا

ہے۔

○

آصفت نے سردار نارون کی کوٹھی کے دروازے پر لگ گھنٹی کاٹنے

دا دیا۔ پھر پچھے بہت آیا۔

”آخر آپ بہال کیوں آئے ہیں؟“

”اور کام جائیں؟ یہ زاد معدوم کیے لیز چارہ بھی کیا ہے کہ

سردار نارون کو کوئی ٹھنڈی کیوں تکل کرنا چاہتا ہے۔ وہ شکن ہج

شام کا اخبار پڑھ کر یہ جان جائے گا کہ اس کا وار خالی یہی

ہے۔ اور سردار نارون کی بجائے اس کی بلی موت کے گھاث اُتر

گھٹے ہے۔ تو وہ کوئی اور کوئی کوٹھی کی کوشش کی ہے۔

انپر کامران مرزا نے کہا۔

”اسی طرف ہے۔“

”اویز، یہ آپ ہیں؟“ افوار صدیقی کے بجھے میں بلکہ

”اویز، یہ ساتھی ہیں؟“

”اویز، یہیں مل رہے ہیں۔“

”واقعی یہ بہت بُری بات ہے، میکن سردار صاحب، یہ الفاظاً صن کو غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو جانا چاہیے تھا۔ میکن میں دیکھ رہا ہوں، آپ کا رنگ مٹ گیا ہے۔“ ”کی غصے کی وجہ سے رنگ نہیں مٹا سکتے۔“ سردار نارون اس پر اٹ پڑے۔

” یہ تو کوئی ہر نفیت ہی بت سکتا ہے شاید۔“ آفتاب نے پہلی بار دخل دیا۔

” صدیقی صاحب، میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔ میکن آپ میری تجوری کی تلاشی یعنی چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ شوق سے تلاشی لے بیس۔“ سردار نارون کا انداز چاہ کھانے والا ہو گیا۔

” جی نہیں، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔“

” اچھا جناب، ہم چلتے ہیں، کیونکہ اب یہاں ہماری بوجوڑی کو برداشت نہیں کی جا رہا۔“ یہ سکھتے ہوئے اپنکر کامران مرازا کھڑکے ہوئے۔ کسی نے ان کے اٹھنے پر ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ تینوں درانگ روم سے خل کر کوئی سے باہر نکل آئے۔ اس وقت اپنکر کامران مرازا نے دبی آواز میں کہا:

” انوار صدیقی تلاشی لے یا نہ لے، میں ضرر تجوری کی تلاشی لوں گا۔“

پر چڑھنے لگا۔

اس کے بعد آمعت اور اپنکر کامران مرازا بھی درخت کے ذریعے دیوار پر چڑھ گئے، پھر دوسرا طرف آواز پید کیے بغیر اُڑ گئے۔ اب تینوں دبے پاؤں سردار نارون کے کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھے۔ نزدیک پہنچ کر انہوں نے دیکھا۔ کھڑکی پر بند تھے۔ اپنکر کامران مرازا نے ہاتھ کا دباد دباد تو پٹ کھلتے چلے گئے۔ تینوں جہاں ہوئے پہنچنے والے سکھ کر میکن اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چالبیوں کا ایک گچا تھا اور وہ تالے کے سوراخ میں ایک چابی گھرا رہا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرا طرف دیکھا۔ اپنکر کامران مرازا نے انہیں بالکل خاموش رہنے کا اشاؤ کیا۔ تینوں ملکلی باندھے اندر دیکھنے لگے۔ نعاب پوش ان سے بے خبر باری باری چابی بدل رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ تجوری کے سینڈل پر پوش کو یہ معلوم تھا کہ سینڈل کا بُن دبائے بغیر تجوری نہیں کھلتی۔ اسی وقت انہوں نے لہلک کی آواز سنی۔ سردار نارون اور اس کی بیگم اپنی مسروبوں پر بے سُدھ پڑے تھے۔ نعاب پوش نے

” آواز پتھی رکھو سردار نارون، میرے ہاتھ میں اس وقت بے آواز پتول ہے۔ گولی تمادی کھوڑی میں اُتر جاتے گی اور کسی کو کافی کان خبر نہیں ہوگی۔ اپنی تجوری کی طرف دیکھو، وہ کھٹی پڑی ہے اور مزے کی بات یہ کہ آج تجوری کی تصویر نے مجھے دھکی بھی نہیں دی، تینیں بھی نہیں جگایا۔“

” اوہ، تو تینیں سب کچھ معلوم ہے۔“ سردار نارون نے چونک کر کر کہا۔

” ہاں، ان احتیٰتیوں کو بھیجنے کا مقصد یہی تھا۔ کہ میں اپنی تکھوں سے دیکھ لوں، تم نے تجوری کی حفاظت کے لیے کیا کچھ بندوبست کر رکھا ہے۔ رات جب وہ تمارے کمرے میں موجود تھے تو میں کھڑکی میں کھڑا اندر کا منظر دیکھ رہا تھا؛ چنانچہ آج میں نے اندر آنے کے بعد پہلے وہ تارکاٹ دیے، جن کے ذریعے خود کارٹی وی پر وہ تصویر آئی تھی اور تمارے کافیوں میں خطرے کی گئی تھی۔“ اس کے بعد میں نے تجوری کھوڑی اور تصویروں کا لفاف تلاش کیا، میکن افسوس مجھے لفاف نہیں ملا؛ چنانچہ تینیں بے آلام کرنا پڑا۔ اب تم مجھے بتاؤ گے کہ لفاف تجوری میں کس جگہ ہے؟“

” نہ۔ میکن۔ تم اندر کس طرح داخل ہوئے؟“ سردار نارون نے بوکھلا کر پوچھا۔ اس کے چہرے پر اب موت کی زردی پھیل

مول لینے کو تیار نہیں۔ ہاں میں دوسرا طریقہ ضرور منزدہ کے لیے تیار ہوں۔“

” خیر شنو، قتل کر کے تم شاید پولیس کے ہاتھوں سے نجع نہیں سکو گے۔ اس طرح تم اپنے مقصد میں مکمل طور پر ناکام ہو جاؤ گے۔ یعنی تصویروں والا لفاف کو تم حاصل نہیں کر سکو گے اور جیل بھی چلے جاؤ گے۔ میکن دوسرا طریقہ جو میں تینیں بتانے لگا ہوں، وہ ایسا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لالہ بھی نہ ٹوٹے۔“

” آخر تم کن کی پاٹتے ہو؟“ نعاب پوش نے چھلانی ہوئی آواز میں کہا۔

” تم جلتے ہی ہو، میں کیا چاہتا ہوں۔“

” ہاں، شاید میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔“ خیر، تم اس لفاف کی کتنی قیمت چاہتے ہو؟“

” قیمت بنانے سے پہلے میں چند باتوں کی وضاحت کر دوں۔ میں کچھ دلوں سے اپنے ارد گرد خطرات محسوس کر رہا تھا؛

چنانچہ میں نے اپنے ایک دُور کے رشتہ دار کو ایک خط میں لکھ دیا کہ اگر میری موت غیر ترقی حالات میں واقع ہو جائے تو فوراً پولیس کے پاس پہنچ جانا۔ اس خط میں میں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ میری موت کے بعد پولیس کو کیا کرنا چاہیے۔ اس میں

ہو گا۔“ اپنکر کامران مرازانے خیال خاہر کیا۔

” آپ سے کون کہ رہا ہے کہ بار بار اپنی راتے پیش کریں۔ آپ اپنا فرض پورا کر چکے، مذا تشریف لے جا سکتے ہیں۔“ انوار صدیقی نے بُرا سامنہ بن کر کہا۔

” بہت اچھا، ہم چلے جاتے ہیں، میکن میری باتوں پر غور ضرور کیجیے گا۔ یا پھر آپ سردار صاحب کی تجوری کی تلاشی لے یہیں۔“

کیا خبر اس میں کوئی لفاف موجود ہی ہو؟“

” پھر وہی۔“ انوار صدیقی نے جھلائے ہوئے بھجے میں کہتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی اس کی نظر میں سردار نارون کے چہرے پر ٹپیں۔ اس نے دیکھا، اس کا چہرہ اپنکر کامران مرازانے کے لفاف میں کریک دم زرد چڑھ گی تھا؛ مذا اس نے اپنا جلد ادھورا چھوڑا اور سردار نارون سے کہا:

” آپ کو کیا ہوا سردار صاحب؟“

” جی پچھے نہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ زمانہ آگیا ہے میرے منہ پر ہی مجھ پر کیسے کیسے الزام لگائے جا رہے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ صاحب مجھے بدلیک میز اور سٹکل جیسے الفاظ سے نواز چکے ہیں اور اب آپ کو میری تجوری کی تلاشی یعنی کامشوہ دیے رہے ہیں۔ کیا میں پور ہوں، ڈاکو ہوں یا کیا ہوں۔“ سردار صاحب نے بھنٹے ہوئے انداز میں کہا۔

دوسرا طریقہ

رات ہاریک تھی۔ سردار نارون کی کھٹکی کے دوازے پر دو کانپیں پڑھ دے رہے تھے۔ ایسے میں تین ساتے اس درخت کے نیچے پہنچ کر رک گئے جس کے ذریعے آفتاب اور آصفت چارہ دیواری پر چڑھتے تھے۔

” میکن ابا جان آج تو سردار نارون نے کھڑکی بھی بند کر دی ہو گی۔“ آفتاب کی آواز سنائی دی۔ آواز حد رہے پہنچی تھی۔

” دیکھا جائے گا، چاہے کچھ بھی ہو، میں اس تجوری کی تلاشی ضرور لیں گا۔“ اپنکر کامران مرازا بولے۔

” کیا آپ کے خیال میں تجوری میں واقعی کوئی تصویروں کا لفاف موجود ہے؟“

” ہاں، میں یہی سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے شابو ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا، سردار نارون بھی ختم ہو جائے اور تصویروں کا لفاف بھی اس کے ہاتھ مگ بگ جائے۔“

” ادھر نعاب پوش پوری تن دہی سے تلاشی لینے میں مصروف تھا۔ میکن شاید میں سسل ناکامی ہو رہی تھی۔ تصویروں کا لفاف کہیں نہیں آ رہا تھا۔ اس حالت میں تقریباً دس منٹ گزر گئے، پھر دہ سردار نارون کی طرف ٹڑا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پتول نکالیا اور پتول کی نالی سے سردار نارون کے بدن کو شبوکا دیتے ہوئے بولا:

” اُنھوں سردار صاحب، اب تم ہی اس سلسلے میں میری مدد کرو گے۔“

” سردار نارون شاید گھوڑے پر یعنی کسرہ کر رہا تھا۔ کوئی تیر سے ٹھوکے پر آئھا۔ جوں ہی اس کی نظر نعاب پوش پر پڑی۔ وہ دھک سے رہ گیا۔ پھرے پر نلزے کے آثار خاری ہو گئے۔

” لک، کون، ہوتم؟“

” مجھے شابو کہتے ہیں۔“ نعاب پوش بولا۔

” کیا؟“ سردار نارون چیخ پڑنے کے انداز میں بولا۔

کتی بھی۔

” کھڑکی کے ذریعے۔“

” میکن کھڑکی تو اندر سے بند تھی۔“ سردار نارون نے کھڑکیاں ہوئی آوازیں کہا۔

” شاید تم سوتے وقت بند کرتا بھول گئے ہو گے۔ اب وقت ضائع نہ کرو اور اٹھ کر تصویروں کا لفاف میرے حوالے کر دو۔“

” نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔“

” یکوں نہیں ہو سکتا۔“ کیا تم اس لفاف کو اپنی جان سے بھی زیادہ قیمتی خیال کرتے ہوئے۔

” سنو، مجھے قتل کر کے تم اس لفاف سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔ یہ صرف میں جانتا ہوں کہ لفاف کہاں ہے؟“

” تم عالم عمر بھی اسے تلاش کرتے رہو گے، تب بھی تلاش نہیں کر سکو گے، میکن ایک دوسرا طریقہ بھی ہے، اس طریقے پر عمل کر کے“

” تم میرے قاتل بننے سے نجع جاؤ گے اور لفاف بھی حاصل کر دو گے۔“

” چلو بیٹاؤ، دوسرا طریقہ کیا ہے؟“ نعاب پوش بولا۔

” پستول جیب میں رکھ لو۔ ہم دوستہ نفاذ میں بات کریں گے۔“

” سردار نارون نے نرم گرم آواز میں کہا۔

” یہ نہیں ہو سکتا، تم اس وقت اپنے کھڑکی میں ہو۔“

” دروازے پر دو پولیس والے بھی پڑا دے رہے ہیں؛ مذاہیں کوئی خوشی“

” دروازے پر دو پولیس والے بھی پڑا دے رہے ہیں، میکن میری بھائیں کوئی خوشی“

” میکن میری بھائیں کو

خیر، میں سمجھ گیا، تم سودا نہیں کرنا چاہتے۔ اب میں دوسرے لوگوں سے رابطہ قائم کروں گا۔ سردار نارون بولا۔

”اس وقت سے پہلے تم اس دنیا سے کوچ کرچکے ہو گے۔“

”پھر بھی لفافہ تمہیں نہیں ملے گا۔ سردار نارون بولا۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔ اگر تمہیں سودا منظور نہیں اور تم لفافہ بھی میرے حوالے کرنے پر تیار نہیں، تو پھر دوسرا دنیا کا مکث کٹ لو۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے پستول کی نالی کا رُخ سردار نارون کے دل کی طرف کر دیا۔ پھر سرد آواز میں بولا:

”خدا حافظ سردار صاحب، تم اس دنیا سے رخصت ہوتے ہو۔“

”نہیں نہیں، ایسا نہ کرو؛ ورنہ پچتا وَ گے۔“ سردار نارون

چلا یا۔

انپکٹر کامران مرزا نے محسوس کیا کہ اب کوئی دم میں نقاب پوش ٹریکر دبادے گا؛ پھر انہوں نے بلند آواز میں کہا:

”ظہر و بھی، تم خود بھی موت کی زد میں ہو۔“

نقاب پوش نے بڑی طرح بوکھلا کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ ساتھ ہی انپکٹر کامران مرزا کے پستول سے فائر ہوا اور نقاب پوش کے ہاتھ سے پستول نکل گی۔



”اپنی بات ہے، ہم آرہے ہیں۔“ ایک کامپلین نے کہا۔

اس کے بعد دونوں کامپلین ان کے پاس سے ٹھہرے اور کوٹھی کے اندر ورنی حصے کی طرف چلے گئے۔ خورڑی دیر بعد دروازے کے دوسرا طرف سے ان میں سے ایک کی آواز سُننائی دی:

”ہم اس طرف موجود ہیں۔ آپ دروازہ کھول دیں سردار صاحب۔“

سردار نارون دروازے پر گئے اور چھٹپنی گرا دی۔ فوراً ہی دونوں کامپلین اندر داخل ہوئے اور نقاب پوش کی طرف بڑھے۔ پھر جوں ہی وہ اس کے نزدیک پہنچے، اس نے ان دونوں کا ایک ایک بازو پکڑا اور کھڑکی کی طرف زور دار جھٹکا دیا۔ دونوں کو کھڑکی سے اور اس کے ہاتھ میں ایک پستول ہے۔ پستول کی نالی سے دھواں نکل رہا ہے۔

”خبردار، پستول پھینک دو اور ہاتھ سر سے بلند کر دو۔“ ایک کامپلین نے چلا کر کہا۔

اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی بیرونی دروازے کی طرف دوڑ پڑے، تاکہ نقاب پوش کو نکلنے نہ دیں۔ بے تر ورستہ ہوئے وہ چاہاں تک پہنچ گئے۔ انہوں نے باہر نکل کر دیکھا۔ لیکن دُور دُور دروازہ کھوئے دیتا ہوئی۔ سردار نارون بلند آواز میں بولے۔

میں نے لفافہ میں کرنے کا طریقہ بھی لکھ دیا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ اگر تمہارے ذہن میں مجھے ہلاک کرنے کا خیال بھی موجود ہے تو اسے نکال باہر پھینکو؛ ورنہ لفافہ کبھی حاصل نہیں کر سکو گے۔

”چلو، میں نے یہ بات ذہن نیشن کر لی۔ تم لفافے کی کتنی قیمت چاہتے ہو۔“ نقاب پوش نے اس کی باتوں کا اثر یہے بغیر کہا۔

”میں نے اس لفافے کی کتنی سال تک حفاظت کی ہے، لہذا اس حفاظ سے مجھے اس کی قیمت بھی ملتی چاہیے۔“ سردار نارون نے کہا۔

”اوہ، بات کو لمبا کرنے کی کیا ضرورت ہے، قیمت بتاؤ۔“

”ایک کروڑ۔“

”ایک کروڑ روپیہ۔ بہت خوب، تم نے میری امیدوں سے بڑھ کر قیمت لگاتی۔ خیر، اب سُنزو، میرے علاوہ تم سے اس لفافے کو کوئی نہیں خریدے گا۔ لہذا میں تمہیں اس کے دس لاکھ روپے دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”تمہارا یہ خیال فلسفہ ہے کہ لفافہ مجھے سے کوئی نہیں خریدے گا۔ ابھی تو میرے پاس صرف تم آتے ہو۔ جب اور لوگ آتیں گے تو پھر دیکھنا اس کی قیمت کمال جاتی ہے۔“

فاتری آواز تھے کا سینہ پھیر لکتی۔ دونوں کامپلین کی طرف دوڑ پڑے۔ گھر کے دوسرے دو گھجی جاگ گئے اور ہر ٹریبا کر اٹھ بیٹھے، پھر یہ معلوم کرنے کے لیے اپنے کھروں سے نکل آئے کہ فاتر کمال ہوا ہے۔ جلد ہی وہ سردار نارون کے گھرے کے باہر جمع تھے، لیکن گھرے کا دروازہ تو بند تھا۔ ادھر کامپلین کھڑکی تک پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا، ایک شخص دو لُر کوں کے ساتھ کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک پستول ہے۔ پستول کی نالی سے دھواں نکل رہا ہے۔

”خبردار، پستول پھینک دو اور ہاتھ سر سے بلند کر دو۔“ ایک کامپلین نے چلا کر کہا۔

”معاف کیجیے گا جناب، میں آپ کا یہ حکم نہیں مان سکتا۔“ اپ کو نہیں معلوم کہ اس وقت گھرے میں کیا منظر ہے۔ آپ ایسا کہیں کہ دوسرا طرف سے گھرے کے دروازے پر جائیں اور سردار صاحب سے دروازہ کھلوالیں۔ اس کے بعد اندر موجود نقاب پوش کو گرفتار کر لیں۔ وہ سردار نارون کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُس کے پستول پر فائر کر کے صرف اس کا پستول نیچے گرا یا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو اس وقت سردار نارون زندہ نہ ہوتے۔“

”یہ ٹھیک کہ رہے ہیں جناب، آپ اس طرف آجائیں، میں دروازہ کھوئے دیتا ہوں۔“ سردار نارون بلند آواز میں بولے۔

کے افاد کو آتے دیکھا۔ ان میں سردار نارون بھی تھا۔ ان کی بلگم بھی، گھر کے ملازم بھی اور دوسرے لوگ بھی۔ نہیں تھا تو نقاب پوش۔

”اک۔ کیا وہ نکل گی؟“ سردار نارون ہٹلاتے۔

”ہم نے تو اُسے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ انپکڑ کامران مرزا بولے۔

”تب پھر وہ کہاں گیا؟“ سردار نارون بولے۔

”کہیں وہ کوٹھی میں ہی نہ چھپا ہو؟“ ریساں نے خیال غاہب کیا۔

”ہاں، اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے، آئیے اسے تلاش کریں۔“ انپکڑ کامران مرزا بولے۔

اور پھر دروازے پر پولیس کے لائیبلوں کو چوکس کھڑا رہنے کی ہدایت کرنے کے بعد انہوں نے کوٹھی کی تلاشی شروع کر دی۔ لیکن نقاب پوش کہیں نہ ملا۔

”ایا جان، ہم نے چھت نہیں دیکھی۔“ ہاصفت نے خیال دلایا۔

”ٹھیک، چھت بھی دیکھ لینی چاہیے۔“

وہ چھت پر پہنچے۔ چھت پرچھک کوئی نہیں تھا، لیکن کوٹھی کی پچھلی دیوار سے انہیں ناتینیون کی رستی کی ایک سیرھی ٹلکی نظر آئی۔ سیرھی لوہے کے ایک ٹک بیس ٹک ہوئی تھی۔ شاید یہ ہبک سیرھی کے لیے ہی ٹھوکا گی تھا۔

”یجھے جناب، شابو صاحب اس سیرھی کے ذریعے اُترے ہیں۔“

انپکڑ کامران مرزا نے عجیب سے بچے میں کہا۔

”اب ہم کیا کریں؟“ سردار نارون نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”کہتا کیا ہے، الوار صدیقی صاحب کو فون کر کے یہاں بولویے۔

اُنہیں سارے حالات سنائیے، پھر جو وہ کہیں، اس پر عمل کیجیے۔“

اُنہوں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

”ہوں، یہی کرنا ہو گا، کیا آپ عین اسی وقت کہاں کی پر پہنچے

تھے، جب نقاب پوش مجھ پر فائر کرنے والا تھا؟“ سردار نارون نے

سوال کیا۔

”اس سے ذرا پہلے۔“ انپکڑ کامران مرزا نے اس کے سوال کا

مطلوب سمجھتے ہوئے کہا۔ غالباً وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ انہوں نے

اس کی اور نقاب پوش کی گفتگو سُنی ہے یا نہیں۔

وہ چھت سے نیچے اُتر آئے۔ پھر الوار صدیقی کو فون کیا

گیا۔ وہ گھری نینڈ کے فرے لے رہا تھا۔ مسلسل بچنے والی گھنٹی

نے آفر اُسے اُٹھنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ھبلاٹے ہوئے بچے

میں کہا۔

”کیا بات ہے، رات کے ریک بچے کسی کو کیا مصیبت پیش آ

گئی ہے؟“

”جی، یہ میں ہوں سردار نارون، یہاں ایک خاص واقعہ پیش آ

گیا ہے۔ ہر بانی فرمائ کر آپ تشریف لے آئیے۔“

"اور پھر آپ نے نقاب پوش کے پستول پر فائر بھی کیا تھا۔

یہ تو ایک اتفاق تھا کہ گولی اس کے پستول پر ملگی۔ اگر شابو کے ساتھ پر ملگی ہوتی تو اس وقت آپ کہاں ہوتے۔ کیا آپ کے پاس پستول کا لائسنے ہے؟"

"ئاں، میرے پاس لائسنے ہے۔ دوسرا بات یہ کہ اگر

گولی نقاب پوش کے پستول کی بجائے اس کے بازو پر بھی مل جاتی تو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ یونکہ وہ بھی تو سردار نارون پر گولی

چلانے والا تھا۔

"مردانی فرمائ کر اپنا لائسن دکھائیتے۔"

"ہوٹل کے بھرے میں، میرے سوٹ کیس میں موجود ہے۔ میں

آپ کے ساتھ ہی چلوں گا اور لائسن دکھا دوں گا۔"

"یکن لائسن تو آپ کے پاس ہونا چاہیے۔" انوار صدیقی نے

اعتراف کی۔

"ایندہ خیال رکھوں گا، ویسے اگر آپ اپنا اطمینان کرنا چاہیں

تو میں کسی سے فون پر ضمانت دلا دیتا ہوں۔"

"آپ یہ بات پہنچی کہ چکے ہیں، کیا رات کے بارہ بجے

کے قریب بھی آپ کسی کو فون کے نیے جگا سکتے ہیں؟"

"جی ہاں، کیوں؟ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔"

"مجھے خوشی ہو گی۔" اس نے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

"اچھا۔" اس نے نرم آواز میں کہا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ سب لوگوں کے ساتھ ڈرائیگر دوم میں موجود تھا اور اس کی نظریں انپکٹر کامران مرزا پر بھی تھیں۔

"مجھے حیرت ہے، آخر آپ رات کے بارہ بجے سردار صاحب کی کھڑکی کے پاس کیا کر رہے تھے؟"

"مجھے اور میرے بخوبی کو بھی سردار صاحب کا فکر کھاتے جا رہا تھا، ہمیں ڈر تھا کہ کیس شابو دوسرا دارانہ کر بیٹھے۔ اس خیال سے

ہم ادھر پہلے آئے تھے اور غیریت معلوم کرنے کے لیے سردار صاحب کی کھڑکی تک پہلے آئے تھے۔ لیکن یہاں اور ہی منتظر تھا۔

اس کی تفصیل سردار صاحب آپ کو بتا ہی پچکے ہیں۔"

"یہ بات میرے حلقت سے نہیں اُترتی کہ آپ سردار صاحب کی حفاظت کی غرض سے رات کے بارہ بجے اپنے ہوٹل سے یہاں اعتراف کی

چلے آئے۔"

"دیکھیے جناب، آپ کے حلقت سے اُترنے کی ذمے داری تو ہم لے نہیں سکتے۔ آفتاب بول پڑا۔"

"غاموش رہو، جب بڑے بات کر رہے ہوں تو ہپھٹے ٹانگ نہیں اڑایا کرتے۔" آصف نے بُرا سامنہ بنایا۔

"بہت بہتر، اب یہ ٹانگ نہیں اڑاؤں گا۔" آفتاب مسکرا یا۔

"آپ کے حلقت سے اُترے یا نہ اُترے، حقیقت یہی ہے۔"

کما۔ شاید وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کمیں یہ شخص ڈینگیں تو نہیں مار رہا۔ اور اسپکٹر کامران مرزا بھی سبی چاہتے تھے کہ وہ ان کے پچکر میں نہ پڑے۔ تاکہ وہ آسانی سے اس کمیں پر کام کر سکیں؛ چنانچہ انہوں نے قصبه بلوشان میں اپنے سب سے اچھے دوست کے نیڑہ انکے لیے۔ تقریباً ایک منٹ بعد جھلائی ہوتی آواز سناتی دی۔

”کون ہے؟“

”میں ہوں بھائی کامران۔“ انہوں نے جان بوجھ کر پورا نام لینے سے پریز کرتے ہوئے کہا۔

”کامران، کامران مرزا یہ تم ہو۔ بندہ خدا کماں سے بول رہے ہو؟“

”یہیں سے۔ ایک پچکر میں اُبھج گیا ہوں۔ یہاں کے ڈی ایں پلے میرے بارے میں ذرا اطیبان چاہتے ہیں؛ لہذا ضرورت سے ضمانت کی۔“

”کی انوار صدیقی اس وقت تمہارے آس پاس ہیں؟“

”جی ہاں۔“

”ٹھیک ہے فون اسے دے دو، لیکن نہیں ٹھہرو۔ پہلے یہ بتاؤ۔ یہاں کب پہنچے تھے؟“

”ایک دن سے زائد نہیں ہوا۔“ وہ بولے۔

”تو سیدھے میرے پاس کیوں نہیں آئے؟“

”کام ہی پچھے ایسا تھا، فارغ ہولوں تو آؤں گا۔“
”دیکھو، وعدہ خلافی نہ ہو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔
”پہلے کبھی وعدہ خلافی کی ہے جو اب کروں گا۔“ اسپکٹر کامران مرزا مسکراتے اور پھر ریسیور انوار صدیقی کو دے دیا۔ وہ حیران ساختا۔ ریسیور میں یولا:

”ہیرو، میں انوار صدیقی ہوں، آپ کون صاحب ہیں؟“

”بھائی نے ”از احمد چیئر کنتے ہیں۔“

”چیئر صاحب، ہیں۔“ انوار صدیقی حیران رہ گی۔
اعزاز چیئر صاحب قصیر بلوں کے ڈپٹی کمشٹر تھے۔

”ہاں، کامران بہت ناس آدمی ہیں۔ ان کی ذات پر کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔“

”بہت بہتر جناب، آپ مطمئن رہیں۔ ان سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی جاتے گی۔“

”ملکہ انہیں مدد کی ضرورت ہو تو ہر طرح ان کی مدد کی جائے۔“

”ضرور جناب، ایسا ہی ہو گا۔“

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ انوار صدیقی نے بھی ریسیور رکھا۔ اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح بولا، جیسے کوئی خواب میں بول رہا ہو۔

”آپ، آپ کون ہیں جناب، میں آپ کو دیکھ کر سچے بھی

لکھا سلوک کرتے رہے۔ انوار صدیقی نے شرمسار بھے میں کہا۔
 ”وراصل میں چاہتا تھا کہ اپنے نام ظاہر کیے بغیر اس معاملے
 میں تھے تک پہنچوں۔ سردار صاحب، میں آپ کی اور نقاب پوش
 لی گھنٹوں کمل شن چکا ہوں۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ کی تجویز
 میں واقعی کوئی تصویر وہ والا لفاف موجود ہے۔ میربانی فراہم
 اس لفاف کو تکایہ اور ہمیں بتائیے کہ یہ کیا راز ہے، کیا پھر
 یہ شابو کون ہے؟ جو آپ سے لفافہ ہر قیمت پر حاصل کرنا
 چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ آپ کی جان یعنی کے درپے تھا۔
 آپ کو دس لاکھ روپیہ دینے پر بھی تیار تھا اور آپ اس سے اس
 لفاف کے ایک کروڑ روپے ہنگ رہے تھے۔“ انپکٹر کامران مرزا
 روای کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

انوار صدیقی اور دوسروں کی آنکھیں ہیرت اور خوف سے پھیلتی
 چلی گئیں۔ ایک کروڑ شن کر تو ان کے مذکور کے کھدے رہ گئے
 سینوں میں سانس ڈالکر کر رہے گئے۔

سردار ہارون کی بیٹی نے بھی اپنے بھائی کے انداز میں کہا۔
 ”آپ بولتے کیوں نہیں، آپ کو کیا ہو گیا ہے؟“ بیگم سردار
 ہارون بول انکھیں۔

یکن اس پر بھی سردار ہارون اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے
 نہ انہوں نے زبان کھوئی۔ وہ تو پتھراتی ہوئی آنکھوں سے انپکٹر کامران
 مرزا کو تکھے جا رہے تھے۔ انہوں نے غور سے ان کی طرف دیکھا
 اور پھر چونک کر اپنی کرسی سے اُٹھے۔ سردار ہارون کے قریب جا
 کر انہوں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر انہیں آہستہ سے ہلا�ا۔
 دوسرے ہی لمحے وہ آگے کو ہلکتے چلے گئے۔ اور پھر زمین پر آ رہے۔
 ”ڈیڈی!“ سردار ہارون کی بیٹی چلتا۔

”ابا جان!“ بیٹی نے ایک خوف ناک ہیچخنے لاری۔
 ”سر تاج!“ بیوی دھاڑ کر آگے بڑھی۔

انپکٹر کامران مرزا ہلکے اور انہوں نے سردار ہارون کی نبض پر
 انگلیاں رکھ دیں۔ پھر فتنی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”یہ آپ لوگوں کا ساتھ چھوڑ پچکے ہیں!“

”نہیں!“ ان کی ہیچخ نے کمرے کی فضا میں تھر تھراہٹ پیدا
 کر دی۔ یکن اس کی لاش پر گرے اور دوئے گئے۔
 ”ل!—یکن۔ یکن جناب یہ کیا ہوا؟“

”شاید ہارٹ فیل!—لفافے کا راز یہ اپنی زبان سے بتانا پسند

ہی رہا تھا۔ آپ کی صورت دیکھ کر مجھے پہلے بھی یہ احساس ہوا تھا
 کہ آپ کو کہیں دیکھا ہے۔“

”میں نے آپ کی بات کا جواب بھی دیا تھا، یہ کہ میں دار الحکومت
 میں رہتا ہوں، آپ بھی دہاں اکثر جاتے رہتے ہیں۔ میں وہیں
 کیس دیکھ بیا ہو گا۔“ انہوں نے گول مول جواب دیا۔

”میر، میں سمجھ گیا۔ آپ مجھے اپنے بارے میں بتانا نہیں
 چاہتے۔“

”اب آپ نے کیا سوچا ہے موجودہ کیس کے بارے میں؟“
 انپکٹر کامران مرزا موضوع کو بدلتے کے لیے بوئے۔

”میں جان گیا، سمجھ گیا۔ آپ صرور انپکٹر کامران مرزا ہیں۔“
 اس نے پکپاۓ ہوتے بھے میں کہا۔

”کیا؟“ سردار ہارون کے منز سے ہیرت زدہ انداز میں نکلا۔

”ہاں، مجھے اب یاد آگیا، میں نے بارہا ان کی تصویر اخبار
 میں دیکھی ہے۔ کیوں جناب، کیا میں غلط کہ رہا ہوں؟“

”خیر، یونہی سی۔ اگر آپ نے مجھے پہچان ہی لیا ہے تو یونہی
 سی۔“ انپکٹر کامران مرزا بے پارگی کے عالم میں مسکلے۔ ان کا
 مصنوعی تعلہاکام ہو گیا تھا۔ ادھر سردار ہارون اور دوسروں کا بُرا
 ہال تھا۔

”اُٹ خدا، آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ہم آپ سے

لقا قم ملتا ہے

کمرے میں چند لمبوں کے لیے موت کی سی خاموشی چھاگئی۔ ہر
 کسی کے ذہن میں تصویر وہ کا لفافہ اور اس کی قیمت گو بننے لگی۔
 ساتھ ہی یہ سوال گردش کرنے لگا کہ ہر خود تصویریں کیسی ہیں؟ کیا
 کی واقعی اس لفافے میں شابو کے جرم کا ثبوت موجود ہے۔ آخر
 اس خاموشی کو انوار صدیقی نے توڑا:

”سردار ہارون صاحب، آپ خاموش کیوں ہیں۔ کیا آپ
 انپکٹر کامران مرزا کی بات کا جواب نہیں دیں گے؟“

”اب انہیں جواب بھی دینا پڑے گا اور وہ لفافہ بھی ہمیں
 دکھانا ہو گا؛ ورنہ کام کیسے چلے گا۔ یہ معمر کیسے حل ہو گا؟“ انپکٹر
 کامران مرزا بوئے۔

”ابا جان، ہم بے ہمیں ہیں۔ پلیز جواب دیجیے۔“ سردار ہارون
 کا بیٹہ تقریباً چیخ کر بولا۔

”ڈیڈی، ہم لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ سب آپ کا جواب
 سننا چاہتے ہیں۔ یہ تصویر وہ والے لفافے کا آخز کیا معاملہ ہے۔“

نہیں کرتے تھے، لیکن اب انکار کی گنجائش نہیں رہی تھی، اس سے برداشت نہ کر سکے اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انیکٹر کامران براز نے کہا۔

"اُٹ خدا، کس قدر وردناک حادثہ ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں، سردار صاحب قصیرہ بوشاں کی بہت مشہور شخصیت تھے، مغلوبوں کی رونق تھے۔ بڑے بڑے افراد سے ان کے تعلقات تھے۔ "ہوں، موت کچھ نہیں دیکھتی صدیقی صاحب، اب ان کے پوٹ مارٹم کا بندوبست بیکھیے۔"

"کیوں، پوٹ مارٹم کی کیا ضرورت؟" انوار صدیقی نے ہیران ہو کر کہا۔

"ضرورت ہے، یہ یقین کرنے کے لیے کہ ان کی موت واقعی اٹ فیل سے ہوتی ہے؟" انیکٹر کامران براز بولے۔

"لیکن اس میں اب شک بھی کیا ہے؟" "ٹھیک ہے، کوئی شک نہیں ہے، لیکن ہمیں کارروائی تو ہر لحاظ سے مکمل کرنا ہو گی۔" انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ میں انتقام کرتا ہوں۔" انوار صدیقی نے کہا اور فون پر جھک گیا۔

آفتاب اور آصفت اکتاہٹ بھی محسوس کر رہے تھے اور بے چینی بھی۔ وہ جلد از جلد تصویروں کا لفاذ تلاش کر لینا پڑتا تھا۔

"تو پھر سپلے اپنے ذہن کو صرف اس معاملے میں ابھاؤ صرف یہ سوچو کہ اس نفافے میں کیا ہے اور لفاذ اب ہمیں کس طرح ملے گا۔" "اپا جان، نفاذ پوش اور سردار نارون کی گفتگو کے دو دن یہ بات سامنے آئی تھی کہ سردار نارون نے اپنے کسی دور کے رشتے دار کو ایک خط کے ذریعے تصویروں کے لفاذ کے باسے میں لکھ دیا ہے اور اگر سردار نارون کی موت غیر قادری طور پر ہوتی تو وہ رشتے دار پوسیں کو اس لفاذ کے ہارے میں بتا دے گا۔" آفتاب نے گویا یاد دلایا۔

"ہاں، مجھے یہ بات یاد ہے، پھر۔ تم کی کتنا چاہتے ہو؟" "یہ کہ صحیح کے اخبار میں یہ خبر آجانی چاہیے کہ سردار نارون کا پُر اسرار حالات میں انتقال ہو گیا۔ پولیس ان کی موت کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور اس سلسلے میں ان کے رشتے داروں سے رابطہ قائم کر رہی ہے۔ یہ خبر پڑھ کر وہ رشتے دار ضرور منظر عام پر آجائے گا۔"

"ہوں، ترکیب تو لا جواب ہے، خیر میں ابھی انوار صدیقی کو فون کرتا ہوں۔"

انہوں نے کہا اور فون پر جھک گئے۔ دوسرے دن صحیح کے اخبار میں یہ خبر پڑھ رہی رہے تھے کہ انوار صدیقی ان کے گھر میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ آنکھیں فکر میں ڈوبی معلوم

اور اس سوگوار فضنا میں ٹھہرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ انوار صدیقی فون کر کے فارغ ہوا تو انپکٹر کامران مرتا بھے۔

"یہاں خیال ہے، ان حالات میں اب ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ آپ تجویز پر ایک کائنٹیبل کو نگرانی کے لیے مقرر کر دیں۔ اب ہم کل تجویز کی تلاشی لیں گے۔ اس دوران پوٹ مارٹم بھی ہو جائے گا اور گھر کے افراد کو بھی کچھ قرار آ جائے گا۔" "تجویز مناسب ہے۔"

چنانچہ وہ دہاں سے رخصت ہوئے اور اپنے ہوٹل میں آگئے۔ آفتاب اور آصفت کے ذہن بُری طرح ابھے ہوئے تھے: تاہم میکی یہ انہوں نے کوئی سوال نہ کیا، پھر جو نہیں کمرے میں داخل ہوئے، آفتاب نے کہا:

"اپا جان، کم از کم آپ یہ بتا دیں کہ آپ نے ہمیں میک اپ میں یہاں کیوں بھیجا تھا۔ اس معاملے میں تو ہم اتفاق سے پھنس گئے ہیں۔ میں ہر ہر ہے کہ اس چکر کے لیے تو آپ نے ہمیں ہرگز نہیں بھیجا تھا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تمہیں یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ تمہیں یہاں کیوں بھیجا گی تھا، لیکن سپلے اس کیس سے تو بنت لو۔ کیا تم تصویروں کے لفاذ کا راز نہیں جانتا چاہتے؟" "جی، کیوں نہیں جانتا چاہتے۔" آصفت بولا۔

ہو رہی ہیں۔ اندر آئے ہی وہ دسم سے لری میں ٹریا۔

"خیر تو ہے صدیقی صاحب؟"

"خیر، خیر کماں جاپ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، خیر کا اس قبیلے سے بنازہ نکل گیا ہے۔ میں ہیران ہوں، یہ ہو کیا رہا ہے۔ نہیں سال سے قبھے میں کوئی واردات نہیں ہوئی تھی۔ ہم چین کی بنی بجا دہ ہے تھے۔ بسے دے کے ایک گھوشن سے مجھے کچھ خطرہ تھا اس لیے اس کی نگرانی بھی میں خود کر رہا ہوں، تاکہ وہ کمیں کوئی واردات نہ کر سکے کہ یہ معاملہ سر پر آپڑا۔"

"لیکن اب کیا ہوا ہے، آپ اتنے فکر میں کیوں ہیں، بھرائے ہوئے کیوں ہیں؟" انپکٹر کامران مرتا جیسے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ کہہ رہے ہیں کیا ہوا ہے، یہ پوچھیے، کیا سنیں ہوا ہے۔ میری تو عقل ہیران ہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے، آپ بھی دہاں موجود ہیں بھی دہاں موجود تھا، باقی لوگ بھی تھے۔ ہم سب کے سامنے ہی سردار نارون ساکت ہو گئے تھے۔ آپ ہی نے تو ان کی نبض دیکھی تھی، پھر جھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے..... وہ پھر کہتے کہ رک گیا۔ انپکٹر کامران مرتا، آفتاب اور آصفت کو شدید اُبھن محسوس ہونے لگی تھی۔

ساتھ میں انہیں انوار صدیقی پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ وہ جلدی سے بات مکمل کیوں نہیں کر دیتا۔

"ہاں ہاں، تو پھر کیا ہوا؟" انپکٹر کامران مرتا بولے۔

”اب پوٹ مارٹ کی رپورٹ ایک نئی کمائی سُنا رہی ہے۔“ انوار
صلیقی نے بُرا سامنہ بنایا کہ کہا۔

”کیا مطلب؟“ تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”بُجی ہاں،“ یہ رہی رپورٹ۔ اس کی رو سے سردار نارون کی
موت ہارت فلیور سے نہیں، زہر سے واقع ہوتی ہے۔“

”کیا؟“ ان کے منہ سے چیختے کے انداز میں نکلا۔



انوار صدیقی اس طرح خاموش ہو گی، جیسے اب کبھی منہ سے ایک
نکلنیں نکالے گا۔ وہ اس کا مطلب سمجھے گے: گویا وہ کہہ رہا تھا
خود ہی پوٹ مارٹ کی رپورٹ پڑھ لے جیے۔ وہ رپورٹ پڑھنے لگے
اس کے مطابق واقعی سردار نارون کی موت زہر سے واقع ہوئی تھی
اور وہ بھی اس زہر سے جس سے بتی مرتی تھی۔ یہ ایک حیرت انگریز
انکشاف تھا۔ زہر جسم میں کسی سوتی کے ذریعے داخل نہیں کیا گیا
تھا۔ منہ کے راستے بھی جسم میں نہیں پہنچا تھا۔ صرف یہ خیال عالم
کیا گیا تھا کہ زہر سانس کے ذریعے جسم میں داخل ہوا ہے۔ اب سوال
یہ تھا کہ زہر سانس کے ذریعے کس طرح داخل ہوا۔ جب کہ ان کے
سامنے سردار نارون زندہ تھا اور بہت دیر تک نقاشب پوش سے باقی

کر رہا تھا، پھر نعاب پوش کے فرار کے بعد وہ ان سب سے بھی
باقیں کرتا رہا تھا، پھر آخر زہر اس کے سانس میں کیونکر داخل ہوا
تھا، اگر زہر کمرے کی فضائیں تھا تو پھر سب کے جسموں میں کیوں داخل
نہیں ہوا تھا۔ یہ صورت چکرا دینے والی تھی۔ انسپکٹر کامران مرزا کے
ساتھ آفتاب اور آصف بھی چکرا کر رہے گئے۔ گھری سوچ میں ڈوب
گئے۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا کافی دیر بعد بوئے:

”ہوں، معاملہ اور ابھجھ گیا ہے۔ ہمیں اسی وقت چل کر تجویز
کا جائزہ یینا چاہیے اور ہاں، سردار نارون کی موت کی خبر شائع
ہو گئی ہے۔“

”بُجی ہاں،“ ہو چکی ہے۔ ایک سب انسپکٹر ڈیوٹی پر بٹھا دیا
گیا ہے، جو نہی سردار نارون کا کوئی رشتہ دار آئے گا، وہ مجھے فون
کر دے گا۔“

”چلیے ٹھیک سے۔ آئیے اب سردار نارون کی کوٹھی چلیں۔“
وہ انوار صدیقی کی جیپ میں روانہ ہوئے۔ کوٹھی میں فضا
اداس تھی۔ ہر شخص کے چہرے پر مردنی سی چھانی ہوتی تھی۔ ان کا
استقبال بھی بہت روکھے انداز میں کیا گیا۔ وہ سیدھے سردار نارون
کے کمرے میں پہنچے۔ ان کی بیکم سے تجویز کی چابی پہنچے ہی لے
چکے تھے۔ پونکہ معاملہ تجویز کا تھا، اس میں زیورات اور نقدی بھی تھی،
اس لیے وہ سردار نارون کی بیکم کو بھی ساتھ ہی لے آئے تھے۔ اُس کے

سامنے تجوری کو کھولا گیا۔ چونکہ نقاب پوش گذشتہ رات تارکاٹ
چکا تھا۔ اس لیے تصویر نمودار نہیں ہوتی۔ انہوں نے ایک سرے
سے تلاش شروع کی۔ تجوری کا کونا کونا اور ایک ایک خانہ دیکھ
ڈالا۔ لیکن کوئی لفافہ نہ ملا۔

«کہیں ایسا تو نہیں کہ سردار مرحوم نے لفافہ اس رشتے دار کو
ہی سونپ دیا ہو۔» آصف نے خیال ظاہر کیا۔
“یہ کیسے ہو سکتا ہے، خود سردار مارون نے یہ کہا تھا کہ انہوں
نے اپنے ایک دور کے رشتے دار کو تصویروں والے لفافے کے بالے میں
ایک خط لکھا ہے، یہ نہیں کہا تھا کہ لفافہ بھی اسے بھیج دیا ہے۔» آصف
نے انکار میں سر ہلا کیا۔

“تب پھر لفافہ کہاں ہے؟ آفتاب نے کہا۔

“شاید اس تجوری میں کوئی خفیہ خانہ ہے، یا پھر لفافہ کیسی اور
رکھا گی ہے۔» آصف بولا۔

“یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نقاب پوش کل رات ہم سبید کے
جانے کے بعد پھر آیا ہو۔» آفتاب نے نئی بات کہی۔

“لیکن انوار صدیقی صاحب، اپنا ایک سانسٹیبل یہاں چھوڑ گئے تھے۔”

آصف نے اعتراض کیا۔

“جی ہاں، اور اس نے جس واپس پہنچ کر یہ رپورٹ دی تھی کہ
رات کے باقی حصے میں بالکل غیرت رہی۔ انوار صدیقی نے کہا۔

“مجھے یقین ہو چلا ہے کہ اس تجوری میں کوئی خفیہ خانہ ہے۔» آصف
نے خیال ظاہر کیا۔

“شاید یہی بات ہے۔ اب ہم اس بات کو ذہن میں رکھ کر تلاشی
لیتے ہیں۔» انپکٹر کامران مرزا بولے۔

ایک بار پھر تلاشی شروع ہوتی، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک
تلاشی لینے کے بعد بھی انہیں کوئی خفیہ خانہ نظر نہ آیا۔ وہ سب بُری
طرح چکرا رہے تھے۔ اکتاہٹ اگ ک ان پر سوار ہو چکی تھی۔ اچانک آفتاب
نے کہا:

“آبا جان، ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔”

“خدا کا شکر ہے، تمہاری سمجھ میں ایک بات تو آتی ہے۔» آصف نے
خوش ہو کر کہا۔

“جلدی بتاؤ آفتاب۔» انپکٹر کامران مرزانے کہا۔

“آبا جان، رات نقاب پوش نے جو تارکاٹ دیے تھے، انہیں
دوبارہ جوڑ دیا جائے۔» اس نے کہا۔

“یہ کیا بات ہوئی، بھلا اس سے کیا ہو گا؟” آصف نے میوسانہ بجے
میں کہا۔

“اس سے ہو گا یہ کہ ہم تجوری کی تلاشی بالکل اصلی حالت میں
لے سکیں گے۔ اس وقت یہ تجوری اس حالت میں نہیں، جس حالت
میں سردار مارون کو فرم کی طرف سے ملی تھی۔”

دوسری لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ ایک موی لفاف و مالو^۲ پڑھا۔ انہوں نے لفافہ اٹھا کر کھولا تو اس میں تصاویر نظر آئیں۔ وہ سب کے سب جوش میں بھر گئے۔ انپکٹر کامران مرزا نے لفافے کو میز پر الٹ دیا۔ وہ ایک ایک تصویر کو غور سے دیکھنے لگے۔ جوں جوں دیکھتے جاتے تھے، ان کی حرمت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ سب تصویریں دیکھ پکے تو سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کا وہ حال ہو گیا کہ کافی تو بدن میں ہونیں۔ نہ جانے اس حالت میں کتنی دیر گزر جاتی کہ ایک سرد آوازنے انہیں چونکا دیا۔

«خبردار، تم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔»

«ہوں، تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ صدیقی صاحب، میرا خیال ہے یہ بھی کر کے دیکھی ہی یا جائے۔»

«ٹھیک ہے۔» انوار صدیقی نے ان کی تائید کی۔ تار جوڑے لگئے۔ تجوری کو بند کرنے کے بعد سوچ آن کر دیا گی۔ اب جو تجوری کو کھولا گی تو خانمنے والی دیوار پر وہی تصویر ابھری۔ اور پھر تصویر کے ہونٹ ہے۔

«خبردار، تجوری کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ ورنہ تمہارے پرخے اڑ جائیں گے۔» یہ الفاظ ختم ہونے کے فوراً بعد تصویر غائب ہو گئی۔ انہوں نے تجوری کے اس حصے کو غور سے دیکھا۔ پھر کورڈمکڑے میں سکرین لگی ہوئی تھی اور اس کے پیچے شاید ٹی.وی کی قسم کی مشینزی تھی۔

«اس سکرین کو ہٹا کر دیکھنا چاہیے۔» آفتاب بولا۔ انپکٹر کامران مرزا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر بولے:

«ہوں، اب یہی کرنا ہو گا۔»

سوچ آفت کر کے انہوں نے پیچ کس کی مدد سے سکرین اُتار ڈالی۔ اب انہیں بالکل ایسے پر زے نظر آتے، جیسے کسی نہیں سے ٹی.وی کے ہو سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ریک وی.سی. آر قسم کی مشین بھی تھی۔ اس میں ایک نہیں سی قلم چڑھی ہوئی تھی۔ مشینزی کے نیچے پلاشک کی ایک تختی تھی؛ گویا ساری مشینزی اسی تختی پر ٹکری ہوئی تھی۔ پچھے خیال آنے پر انپکٹر کامران مرزا نے اس تختی کے چیز بھی کھول ڈالے۔

تصویر ول کا راز

انہوں نے دیکھا، وہی رات والا نقاب پوش پھر کمرے کے دروازے پر موجود تھا۔ اس کے ناتھ میں اس وقت دوسرا پستول تھا، یونکہ رات تو پستول اس کے ناتھ سے نکل گیا تھا اور فرار ہوتے وقت پستول اٹھانے کا اسے موقع نہیں ملا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ کم از کم اس وقت انہیں اس کے آنے کی آمید نہیں تھی، یونکہ دن کا وقت تھا۔

”آئیے جناب، آپ بھی آئیے۔ آپ سے بھی فیصلہ ہوہی جائے کہ آپ چاہتے کیا ہیں؟“ انسپکٹر کامران مرزا نے تھکے تھکے اندازیں کیا۔ ”ال تصاویر کے علاوہ بھلا میں کیا چاہوں گا۔“ نقاب پوش بولا۔ ”دیکھیے جناب، آپ میں ان تصویروں کو دیکھ چکا ہوں؛ لہذا آپ کے ہوائے نہیں کر سکتا۔ اگر آپ شاپوہیں تو جو کمائی آپ نے میرے پھول کو سنائی ہے، وہ غلط ثابت ہو چکی ہے۔ یہ تصویریں ہی اس کمائی کو سفید جھوٹ ثابت کر دیتی ہیں؛ لہذا کوئی اور بات یکچھے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے طنزیہ لمحے میں کما۔ ساتھ ہی انہوں نے

دیکھا، نقاب پوش ایک ایک قدم اٹھا کا اندر چلا آر ہاتھا۔

”تم سب اپنے ناتھ سر سے بلند کر دو؛ ورنہ میں ایک ایک کو بھون ڈالوں گا۔ اس وقت میرے سر پر خون سوار ہے۔“ ”یار کیوں جھوٹ بولتے ہو، تمہارے سر پر تو اس وقت صرف ایک چلکاڑ سوار ہے۔“ آفتاب نے بُرا سامنہ بنایا۔

”خاموش رہو۔“ یہ کہ کر وہ چند قدم اور آگے بڑھا۔ اس وقت تک بیگم سردار نارون اور انوار صدیقی ناتھ اور اٹھا پکھے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب اور آصف بُوں کے قوں کھڑے تھے۔

”تم میکنؤ نے ناتھ اور کیوں نہیں اٹھاتے؟“ اُس نے غزار کر کہ ”ہم دراصل باری باری ناتھ اٹھایا کرتے ہیں؛ چلو بھی آصف، تمہاری باری ہے۔“ آفتاب نے شوخ آواز میں کہا۔

”پسلے کیوں نہیں بتایا تھا؟“ آصف نے بُرا سامنہ بنایا اور ناتھ اور اٹھادیے۔

”آصف کے بعد باری آئی ہے میری، یہ بھی۔“ اس نے بھی ناتھ اٹھلتے ہوئے کہا۔

”آپ بھی ناتھ اور اٹھادیں آتا جان۔“ آفتاب نے ان سے کہا۔

”کیوں اٹھادوں۔ تم جانتے ہو، میں پستول و ستوں کو غاطر میں نہیں لایا کرتا۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کسی صندھی نیچے کی طرح کہا۔

اور تصویروں کے نفاف کی چوری کی بات چیت کی۔ اس نے غور کرنے کے بہانے دوسری ملاقات مقرر کی اور مجھے فون کر دیا۔ یہی نے فوراً اپنے دونوں رُڑکوں کو میک اپ میں بیاں بھیج دیا۔ انہیں ہوٹل گرین روز میں بھرنا کی ہدایت کی، کیونکہ دوسری ملاقات بھی یہیں ہونا تھی۔ پھر گھوش کو فون کیا کہ دونوں کے ہال میں موجود میں گے۔ میں نے ان دونوں کا میک اپ بھی آوارہ ٹیک رُڑکوں کا کیا تھا۔ ایسے رُڑکے عام طور پر جیب کرتے یا قفل شکن ہوتے ہیں۔ گھوش کو یہ بات سمجھا دی گئی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کام سے انکار کر دے۔ ملاقات رُڑکوں کی میز پر کی جائے۔ اب یہ ایک اتفاق ہے کہ شابو نرف عابد رمیسانی نے خود ہی آصفت اور آفتاب والی میز منتخب کی، کیونکہ اس وقت کوئی اور میز خالی نہیں تھی اور پھر پروگرام کے مطابق ہی کام ہو گیا۔ گھوش سودے کو لھکرا کر چلا گیا۔ اور ان دونوں نے یہ کام کرنا منتظر کر یا۔ میں ان کی فطرت سے واقع ہوں، اس لیے پہلے سے کچھ نہیں بتایا تھا کہ کمیں ایکنگ کا شبہ نہ ہو جائے۔ شابو نے انہیں کلوروفارم کے بہانے زہر کی شیشی دے دی۔ یہ زہر وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کی حکومت نے اس طور پر دیا ہو گا۔ مطلب یہ تھا کہ سردار ہارون اور ان کی بیگم مرجائیں اور ان کی موت نے ہنگامے کے دوران وہ تصویروں والا نفاف لے کر چلتا بنتے۔ تجویز کھولتے ہوئے وہ ان دونوں کو دیکھ

یہاں چاہتا تھا، تھا کہ بعد میں خود کھوں کر نفاف حاصل کر لے، اگر دونوں رُڑکے نفاف پا لیتے ہیں تو ان سے حاصل کر لے۔ اب اُسے کیا معلوم تھا کہ ہم نے اس کے گرد جال بچایا تھا، دیسے یہ خیال مجھے بھی نہیں آیا تھا کہ یہ شخص کلوروفارم کی بجائے زہر کی شیشی دے دے گا؛ ورنہ میں آفتاب اور آصفت کو ضرور خبردار کر دیتا۔ خیر، یہ دونوں رات کو ڈال پہنچ گئے۔ شابو پہلے ہی گھر میں عابد رمیسانی کے رُوب میں تھا۔ ابھی تک میں یہ معلوم نہیں کر سکا کہ یہ عابد رمیسانی کوں ہیں۔ کیا اس نام کا کوئی آدمی سردار ہارون کا۔ دوست ہے، اگر ہیں۔ ہے تو اس کا کیا بنا؟ یہ ابھی یہیں معلوم کرتا ہے۔ خیر، آفتاب اور آصفت کھڑکی نے ذریعے سردار ہارون کے کمرے میں داخل ہوتے۔ انہوں نے انہیں بے ہوش کرنے کے لیے شیشی روہاں پر الٹ دی۔ اتفاق سے روہاں گر گیا اور اُسے بیٹی نے سونگھے یا۔ اس طرح انہیں معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ میں کلوروفارم نہیں، زہر ہے تو یہ گھبرا گئے؛ تاہم تجویز کھولے بغیر واپس چانا پسند نہ کیا۔ تجویز کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ یکن پٹ کھلتے ہی انہیں ایک تصویر نے ڈمکی دی۔ یہ اور بھی بوکھلا گئے۔ ساتھ ہی سردار ہارون بھی جاگ گئے اور انہوں نے ان پر پستول تان یا، یکن یہ بھاگ نکلے۔ اس دوڑان عابد رمیسانی تجویز کے کھلنے اور اس کے خطرے وغیرہ سے آگاہ ہو چکا تھا؛ چنانچہ اس نے دوسری رات خود تجویز کھولنے کا فیصلہ کر دیا۔ ادھر مجھے بھی

لے کی صورت ہی نہیں تھی۔ اُسے تو صرف اتنا کرنا پڑا تھا
سردارون کے بھرے سے فرار ہو کر اپنے بھرے میں چلا گی اور
بدل کر دوسرے لوگوں میں آکر شامل ہو گی۔ اب چونکہ ہم
توں کی تصویر وہ اپنے لفافے کے ہارے میں گفتگو نظر بہ نظر
کے ساتھ اور میں نے انوار صدیقی صاحب کے سامنے سردار صاحب
مطلوبہ کیا تھا کہ اب وہ کچھ نہ پھپائیں اور لفافے کے بالے
اویں؛ لہذا سردار صاحب بتانے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اس
لئے کہ کچھ بتاتے، عابد رمیانی نے انہیں زہر منگھا دیا۔ وہ
قریب ہی ساتھے اور شاید رومال پر زہر لگا کر پہنچے ہی لے
تھے۔ کسی بدلنے سے انہوں نے رومال سردار صاحب کی ناک
دیا ہو گا اور اس طرح یہ تیز زہر ان کے سانس کے ساتھ
لگی اور وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی ختم ہو گئے۔ آج بعض
واکم ان کی موت زہر سے ہوئی ہے؛ تو میرا ذہن فوراً عابد
کی طرف گی، لیکن میں نے جان بوجھ کر انہیں نظر اندازی کے
تجھوڑی کی تلاشی شروع کر دی۔ میں جانتا تھا، عابد رمیانی
ہماری کارروائی کو ضرور دیکھے گا اور جب ہم تصویر وہ کافی
میں گے تو اسے حاصل کرنے کے لیے ضرور آئے گا؛ پھر انہیں
اور اب عابد رمیانی صاحب بندھے پڑے ہیں۔ میں تو یہ

یہ خبر پڑھی کہ ایک قفل شکن چل سے رہا ہو گیا ہے تو انہوں
کہ پہنچے اس قفل شکن سے تجوڑی کھلو کر دیکھی جاتے۔ انہیں
نہیں تھا کہ یہ ترکیب میں نے چارے سکے طور پر اختیار کی
تھا کہ اس غیر ملکی جاسوس کا پتا چل سکے، اور پتا چل گیا۔ اس
تو جو کچھ ہوا، وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ اب مجھے اتنا اور بتانا
میں نے یہ سب اندازے کس طرح لگائے۔ یہ بات تو
جاسوس نے معلوم کر لی تھی کہ ہمارا جاگروں قبضہ بلوشاں میں ہی
ہوا ہے۔ اس کے بعد انہیں یہ اطلاع ملی کہ ایک غیر ملکی
کو خاص طور پر وہ لفافہ حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اور
جاسوس بھی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ پھر وہ نظر وہ
ہو گی۔ میں نے گھوش کو جیل سے رہا کرایا اور اُسے ہربات
رخ سمجھا دی۔ پھر آفتاب اور آصفت کو یہاں بیسج دیا۔ اس
ہمیں یہ بات فوراً معلوم ہو گئی کہ لفافہ کس گھر میں ہے۔ آفتاب
فت کے ساتھ ہی میں یہاں چلا آیا تھا۔ لیکن ان کی نظر وہ
کپ کر، یہاں جب سردار نارون کا نام سامنے آیا۔ واضح ہے
بات مجھے گھوش سے ہی معلوم ہو گئی تھی، تو میں نے سردار نارون
کے میں معلوم کرایا۔ معلوم ہوا، آدمی لاپی ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ
اور لامی میں آگئے ہوں گے اور انہوں نے ہمارے جاسوس کی
لے طرف بڑھے اور بولے:

”اس کا اصل چہرہ بھی دیکھ لینا چاہیے۔“

انہوں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ دیا۔ آفتاب اور
دیکھی نزدیک چلے آتے۔ اچانک آصفت نے چونکہ کہا:

”انخل، جب یہ شخص ہمیں شابو کے بھیں میں ملا تھا تو
لے آنکھیں نارنجی تھیں۔“

”ہاں، اس وقت اس نے آنکھوں میں کوئی دوا ڈال

بھی یہی پروگرام بنایا کہ بجوری کو کھول کر دیکھا جائے۔ ہم جب یہاں پہنچنے تو عابد رئیسانی پہنچنے ہی نقاب پوش کے روپ میں یہاں موجود تھا اور بجوری کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ بجوری تو اس نے کھول لی، لیکن اس میں سے لفافہ نہ تلاش کر سکا۔ آخر سردار ہارون کو جگانا پڑا۔ انہوں نے لفافے کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ ثابت نہ لفافے کے بدلتے دس لاکھ روپے دینے کی پیش کش بھی کر ڈالی، لیکن سردار صاحب نے لفافے کی قیمت ایک کروڑ روپے لگاتی۔ جب سردار ہارون کسی طرح نہ ملنے تو اس نے ان پر فائز کرتا چاہا، لیکن میں درمیان میں ڈیک پڑا۔ میں نے اس کے پتوں پر فائز کر دیا۔ بعد میں یہ کانٹیشنوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر سے نخل لی۔ ہم نے چانک تک پہنچنے میں دیر نہیں لگاتی، لیکن ہمیں دوسرے تک کوئی بھاگت نظر نہیں آیا۔ ساری کوٹھی میں بھی کوئی نقاب پوش نہیں ملا۔ بس چھت پر ایک نائیکون کی رستی کی سیڑھی ضرور تک رہی تھی، جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ نقاب پوش اس رستی کے ذریعے فرار ہو گیا ہے گویا اس نے فرار ہونے کا پہلے ہی انتقام کر رکھا تھا، لیکن اب ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ عابد رئیسانی نے چھت پر سیڑھی اس لیے ٹکادی تھی کہ یہ خیال کریا

بھی کہ سکتا ہوں کہ یہ ان کا فرضی نام ہے۔ اصل نام نہ جانتے کیا ہے۔ بیگم صاحبہ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ عابد رئیسانی نام کا کوئی شخص سردار صاحب کا دوست تھا؟

”جی ہاں“ وہ ایک دوسرے شر میں رہتا ہے اور سردار صاحب سے اس کی خط و کتابت ملتی ہے۔

”بس تو پھر ضرور یہی بات ہے۔ اس نے کسی طرح ان کے آپ کے تعلقات کا پتا چلا یا اور پھر یہ دوسرے شہر پہنچ گیا۔ شاید یہی وہ وقت تھا جب عابد رئیسانی صاحب ہمارے جاسوں کی نظر وی سے اوچھل ہو گئے تھے اور کافی دنوں غائب رہے تھے۔ فناہ ہے، دوسرے شہر میں رہتے ہوئے انہوں نے اصل عابد رئیسانی کی حرکات اور سکونت کا جائزہ یا ہو گا۔ عادات کا مشاہدہ کیا ہو گا، تب کیس جا کر اس کا میک اپ کرنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے۔ نہ جانتے انہوں نے اصل عابد رئیسانی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا۔ یہ تو خیز معلوم کرنا پڑے گا کہ ان پر کیا گزری۔ یہ عابد رئیسانی کے روپ میں سردار ہارون سے ملنے اور کچھ دن یہاں ٹھہرنے کے بھانے آگئے۔ مطلب یہ سختا کہ لفافہ اڑانے کے امکانات پیدا ہو جائیں۔ دشمن مذکور کے جاسوس اراد گرد سراغ لگاتے رہتے تھے اور انہوں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ تھوڑا کا لفافہ صرف اور سرفت، سردار ہارون کے گھر میں ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ضرور آئر پاں کے تمام یوگوں کے حوالوں معلوم کیے ہوئے گئے۔

لاش کو حکومت کے قولے نہیں کیا ہو گا اور نہ تصویروں والے لفافے کے بارے میں کچھ بتایا ہو گا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ انہوں نے جاسوس کی لاش اپنے باغ میں دبادی ہو گی۔ اب ان کا باغ کھدوایا جائے گا اور لاش برآمد کی جائے گی۔ گھوش کی سزا میں رعایت دے دی جائے گی، یعنی اس نے بھی اپنا پارٹ بخوبی نبھایا ہے۔ تصویروں والا لفافہ مل جانے کے بعد تو کسی شک کی گنجائش رہ ہی نہیں گئی تھی؛ لہذا یہ ہے کل کسی۔ میں نے عابد رئیسانی کے شہ میں ایک آفیسر کو فون کر دیا تھا، وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کو فون پر اطلاع دے گا اور وہ ہمیں اطلاع دے دیں گے۔ انوار صاحب آپ کھدائی کرنے والوں کو بُلا لیں۔ ہم آج ہی فارغ ہو کر یہاں سے کیا روانہ ہو جانا چاہتے ہیں؟“

”لیکن ابا جان، ابھی تو آپ کو ڈپٹی کمشنر کے ہاں بھی جانا ہے۔“

”ہاں، ان سے بھی ملیں گے اور بس فوراً ہی اجازت لے لیں گے۔“

”لیکن کیوں نخل، آخر ایک آدھ دن قبیلے کی سر کرنے میں کیا حرج ہے، آپ کو معلوم ہی ہے، سہار آتے ہی تو ہم اس کیس میں“

”مجسم کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ نصویر وں والا مقام جسیں
ہے۔ اب ڈیسائی کی لاش کے لیے باعث کھدوایا جا رہا
ہے۔“ توبہ توبہ، لائق بھی آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے
ہے۔ سردار نارون اگر اس ڈیسائی کی لاش اور لفافے کو
دست کے حوالے کر دیتا تو آج اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا
چا تو اس نے یہ تھا کہ لفافہ دشمنوں کے حوالے کر دے گا اور
ہمیں روپے وصول کرے گا؛ گویا ملک کی اس کے نزدیک کو
یقینت ہی نہیں تھی۔ کیسے کیسے لوگ اس دنیا میں ہیں؛ دریہ لان
اسی اس حالت میں کہ سردار نارون کو کسی چیز کی کمی نہیں
پڑی لکھنے دکھ بھرے بجھے میں کہا۔
”جی ہاں، بس اسی کا نام دنیا ہے۔ خدا حکومت رکھے اب
لگوں سے۔“
”تو پھر تم آرہے ہونا ہے؟“
”جی ہاں، لاش ملنے کا انتظار ہے یادوہ بولے اور ڈپٹی کو
نے فون بند کر دیا۔
ابھی سحوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک مزدور نے آ کر بتایا
”لاش مل گئی ہے جناب۔“
وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور باعث میں پہنچے۔ ایک درخ

آیت الدن ناول کی ایک جھلک

محمد، فاروق، فرزانہ اور ان پسکر ڈیسائیز زینت

کلکتیہ پرنٹ ایجنسی

مصنف : اشتیاق احمد
گھر کے تمام دروازے بند تھے۔ بند گھر میں ایک نقاب پوش نمودار ہوا
اس نے ایک فائر کیا اور کمرے کا پستہ اکھڑا گی۔
نقاب پوش گھر کے افراد میں سے ایک تھا۔
یکن وہ کون تھا اور کیا چاہتا تھا۔ یہ بات کسی طرح معلوم نہیں
رہی تھی۔
فرزانہ کی نقاب پوش سے مذہبی محمود میدانِ عمل میں فاروق کی شوخی
عروج پر۔ آخر میں ان پسکر ڈیسائیز راز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔
ایک چیرت ایجیز ناول سے۔
قیمت : ۵/۵

ایک ماں کی ایات بھیت

آفتاب، آصف اور ان پسکر ڈیسائیز زینت

کمشنہ سسٹم

مصنف : اشتیاق احمد

چہرے پر آنک گئے اور پلاسٹک کے ڈکٹے آتار پھینکے۔ انہوں نے دیکھا، ان کے سامنے ایک غیر ملکی پڑا گھرے گھرے سانس لے رہا تھا۔ وہ اگرچہ ہوش میں تھا، لیکن یوں لگتا تھا، جیسے جان بوجھ کر بے ہوش نظر آنے کی کوشش کر رہا ہو۔

آدھ گھنٹے بعد کھدائی والے آگئے اور انہوں نے باغ کی کھدائی شروع کر دی۔ وہ ڈرائیور میں کوئی خبر منہنے کے اختصار میں بیٹھے رہے۔

اچانک انہوں کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف ڈپٹی کمشنز ہب تھے۔
وہ کہ رہے تھے :

”عبدالریمانی کا سراغ کی گھنٹے کی کوشش کے بعد لگا ہے۔
وہ نشے میں دھت ایک گنم جگہ پڑا تھا اور ہوش سے بے گناہ تھا۔ اُسے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے وہ کئی روز سے نشہ آور دوا استعمال کر رہا ہے۔ یہ دوا اس کے پاس کہاں سے آئی؟ کسی کو معلوم نہیں۔ اس کے گھر والے بھی اُسے تلاش کر کے تھک پکے تھے اور تھانے میں روپورٹ بھی درج کراچکے تھے۔“

”غیر، خدا کا شکر ہے، یہ مسئلہ بھی حل ہوا۔“ انپکٹر کاملان مرزا بولے۔

”ادھر کی کیا روپورٹ ہے؟“

چہرے کے نقوش کسی قدر باقی تھے۔ اور اب تک یہ کہ رہے تھے، ہم وہ نہیں جو وطن کو زیست کھاتے ہیں۔ ہم تو وہ ہیں جو وطن کے لیے اپنی جان دے دیتے ہیں۔

مصنف : اشیاق احمد

گھری کا ہنگامہ

محمود فاروق، فرزانہ اور انپکٹر جمیشہ ریزیعہ

ہوں تے رہ بہر ۲۰۱۹ ہار دیا ہا ہا
اس ہوٹل میں کیا ہوا تھا ؟
مجم نے صرف ایک غلطی کی تھی۔ انپکٹر جشید اس تک ایک گھٹی
کے ذریعے پہنچتے ہیں۔
قدم قدم پر حیرت انگیز واقعات۔

قیمت: ۵/۵

آئندہ ناول کی ایک جھلک

متفرق ملے کی ایک نئی پیش کش ۲

خطوط کی عدالت میں

مرتبہ : اشتیاق احمد

۹ آپ کے خطوط اس کتاب میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ ان کی فوائش
پر جنہیں یہ شکایت ہے کہ ان کے خطوط کی ہوں کے آفر میں شائع
نہیں ہوتے۔
۹ کرداروں سے آپ کے سوالات اور ان کے جوابات بھی شامل ہیں۔
۹ اور یہی نہیں، انپکٹر کامران سیرنیز اور انپکٹر جشید سیرنیز کے کرداروں
سے تعارف بھی حاصل کیجیے۔
۹ کتبہ اشتیاق کے کارکنوں سے بھی ملے۔

کرداروں سے سوال

ملکہ افروز، یہر کراچی
س : انگل، جب آپ کے پاس ناولوں کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا تو پھر
آپ کیا کریں گے ؟
ج : اس روز شاید میں مر جاؤں گا۔

رضوان فاروقی، لاہور

س : میں نے آپ کے ایک ناول خون کی تحریر میں محمود کا ایک جد
ناول تو پاگل اور بے وقوف اور پاگل آدمی لکھا کرتے ہیں، پڑھ
کے کرداری ہی ذہن میں آئے تھے۔

تخلیق کیا تھا ؟

ج : اس وقت تو کچھ بھی نہیں سوچا تھا، پیٹ کی آگ سمجھانے کے
لیے ناول لکھا پڑے تھے۔ اب یہ آفاق ہے کہ پہلے دوناولوں
کے کرداری ہی ذہن میں آئے تھے۔

و خوبی لی اسٹا نہ رہی، لیکن آپ
یہ کہ آپ اپنا غاص نمبر جب بھی شائع
رے امتحان ہوتے ہیں۔ پچھلے سال جب
اس وقت ہمارے امتحان ہو رہے تھے

کوش دستہ لئے، اس کو
تو نہیں۔ امید ہے، آپ اس خط کو شائع کر

— وہ جی ہمیں اشتیاقِ احمد سے گفتگو کرنی
ر سے — آپ کون بول رہے ہیں؟ — ان
یں، ان کے — کی کما، ہولڈ کریں ایک من
پورے سارٹھے پانچ منٹ پانچ سینڈ لگ
کے، فون ہی نہیں الٹھا رہے — این —

— ہل تو اتنیاں بھائی ساماں یکم۔ لیے ہیں۔ بقرا عیند یہے
کی کہ اڑایا۔ پائے والے، سری دری، گوشت دوشت
وہی، تنخے دکے۔ کھائے یا پھر۔ خلوں کے غظیم انبار تھے۔
جو ایات لکھتے رہے۔ ساری رات آنے والے ماہ کی سیر نیز لکھتے
ہیں کیا کہ رہے آپ۔ ہماری دوسری بات درست ہے۔
بڑا افسوس ہوا۔ یہی زور سے بولیں۔ آزاد نہیں آز ہی۔ جو
رہے ہیں۔ تو آپ نے اس بقرا عیند کو کچھ نہیں کھایا۔ کھائے قسم

کم مے کا دروازہ ٹھلا اور امتی چلا ہیں۔ اسے بے وقوف یہ نسلکا کھول کر کیوں بیٹھی ہو۔ میں بت ستر مندہ ہوئی۔ زمین میں گردگنی پانی پانی ہو گئی۔ بغلیں جھانکتے لگی اور آب آب ہو گئی۔ الفقر مختصر بہت پکھ ہو گئی۔ خیز بُری یہ ہوئی کہ مشینی مخلوق اور زانٹے کا فار پڑھ کر نزد دوت سے زیادہ ہی نوش ہو رہی تھی اور آپ کو شاباش دے رہی تھی کہ چھوٹے بھائی نے آکر بتایا کہ میں تیکے کو تھیکیاں دے رہی ہوں۔ معلوم ہوا، میں خواب میں آپ کو تھیکیاں دے رہی تھی۔ خط

میریز کا تذکرہ نہ کریں۔ ہو ہی سئیں سکتا، ہمیشہ دوسروں کو پڑھنے
پسند کرتے ہیں۔ کیا فرمایا کہ آپ کو خطوں کے جواب دینے ہیں۔
ماہر ہے، عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔ اب ہم فون بند کرتے
ہیں۔ مگر سئیں، ایک سوال تو سُن لیں جو ذیل میں درج ہے۔
انپکٹر جشید انکل، ہماری دادی اماں کستی ہیں کہ میں اپنی قوم
کے اس عظیم فرزند کی بلا تین لونگی۔ پلیز ہمیں بتائیں نا، ہم کی
کریں؟
یہیے، آپ نے تو فون ہی بند کر دیا۔ ~~لچاٹا ٹھہر ہم~~ چلتے ہیں۔
فلاں گروپ

مریم نہرہ رضوی، حصیل روڈ، اوکارہ
د پائے پارل پوسٹ لر دیں کے۔ ہال لو بات ہو جانے لایوں لی۔
عنی کہ آپ کے ناولوں کی۔ اصل میں ہماری ایک طریقہ بجدی ہے، وہ
کہ ہم چاروں بہنوں میں ہر ماہ ٹرانی ہو جاتی ہے کہ آپ کے
والی پہنے کون پڑھے۔ مگر مجبور ہو کر بادی بادی پڑھنا پڑتا ہے۔ کبھی
یا پہنے پڑھتی ہیں، کبھی حباب، کبھی لالہ اور کبھی ہم۔ فتنم سے
ب کسی اور کے ہاتھ میں دیکھتے ہیں تو دل جل کر شامی کباب وہ
معیل کے ہو جاتا ہے۔ کم بخت کمیں کی۔ ارے باپ رے
پ کمیں سُن ہی نہیں۔ اگر اتنی ہنور سے شکایت کر دی تو
جائز حضرت جی کے جی میں۔ ہیں آپ نہیں رہے ہیں۔ کمال
ایک مشنے کا کام ہے۔ مشنے، اگر مشنے کر سہ، فتن

رکوارڈر نمبر الیٹ ۷۲ بی ہینڈ جیکیپ لائن کر

صاحب۔ سلام مسنون۔
نچے آپ کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ اس لیے
کیونکہ میں اپنے بچوں کو ہر دو کتاب پڑھانے
چکے میں خود پہلے پڑھ لوں تاکہ وہ خرافاتی
سپ ہوتی ہیں اور ان میں حب الوطنی۔

بعض اوقات خیالات بھی خط مط ہو جاتے ہیں۔ کئی دفعہ سوچا کہ آپ کو خط لکھوں کہ آپ کی نئی کتاب 'ایشیا کا جلاد پڑھ رہا تھا'، اس میں مندرجہ ذیل واقعات میں تضاد اور بے ربطی پائی گئی۔ صفحہ ۹۰ پر لکھا ہے کہ جادوجہا کا فون خراب ہے، لیکن صفحہ ۱۱۱ پر انسلکٹر کامران مرزہ فون کرنے لگے۔ اسی طرح صفحہ ۵۰ پر تصویریون والا لاکٹ تیسری الماری سے برآمد ہوا،

This image is a high-contrast, black-and-white photograph with a grainy, textured appearance. The texture is composed of numerous small, dark, irregular shapes scattered across a lighter background, creating a mottled or noise-like effect. There are no discernible figures, objects, or specific scenes; it is purely abstract.

This image is a high-contrast, black-and-white photograph with a grainy, textured appearance. The scene is dominated by dark, almost black, areas with scattered bright, white, and light gray speckles and clusters. These bright elements vary in size and density, creating a mottled or marbled effect. There are no clear shapes, figures, or text visible. The overall quality is reminiscent of a low-quality scan or a heavily overexposed or underexposed photograph.

بعض اوقات نیتیات بھی خط مط ہو جاتے ہیں۔ کئی دفعہ سوچا کہ آپ کو خط لکھوں کہ آپ کی نئی کتاب ایشیا کا جلاڈ پڑھ رہا تھا، اس میں مندرجہ ذیل واقعات میں تضاد اور بے ربطی پائی گئی۔ صفحہ ۹۰ پر لکھا ہے کہ حاد جلالی کا فون خراب ہے، لیکن صفحہ ۱۱۱ پر انسپکٹر کامران مرتضیٰ فون کرنے لگے۔ اسی طرح صفحہ ۵۰ پر تصویریوں والا لاکٹ تیسری الماری سے برآمد ہوا، جب کہ صفحہ ۹۹ پر لاکٹ سوٹ کیس سے برآمد ہوا۔ صفحہ ۱۳۹ پر حاد جلالی کی گردان دبوچ لی گئی، لیکن صفحہ ۲۳ پر حاد جلالی کا گلا گھوٹا گیا۔ صفحہ اسی ہے کہ حاد جلالی کے سر پر کولی پیز مردی گئی۔ یہ تضاد کتاب کی دلچسپی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ امید ہے،

آپ اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

قطعہ: محمد اکرم۔ ۱۲۳۳ باہر بلاک نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
ج: آپ کاشکریہ، واقعی کام کی زیادتی کی وجہ سے مجھ سے ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔

